معیاری ادب
مثنوی
بحر المحبّت
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی
س عرفان

معیاری ادب ۳۴

مثنوی

# بحرالمحبت

شیخ غلام ہمدانی مصحفی

تصحیح و ترتیب

مولانا عبدالماجد دریابادی

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی

صدر دفتر:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی 110025

شاخیں:

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار، دہلی 110006

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، پرنسس بلڈنگ۔ بمبئی 400003

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، یونیورسٹی مارکیٹ، علی گڑھ 202001

پہلا اڈیشن: ۱۹۲۲

دوسرا اڈیشن: مارچ ۱۹۸۲ء   تعداد 1000   قیمت: =/5

برٹی آرٹ پریس (پروپرائٹرز: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ) پٹودی ہاؤس، دریا گنج، نئی دلی ۲ میں طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# دیباچہ

مصحفی کی مثنوی 'بحر المحبت' میرے علم میں آج بالکل پہلی بار کتاب کی صورت میں لباس طبع سے آراستہ ہو کر دنیا کے سامنے پیش ہو رہی ہے۔ اس کا کوئی دوسرا قلمی نسخہ جہاں تک میں اپنے باخبر احباب، اور ہندستان کے مختلف کتب خانوں سے دریافت کر سکا، اور کہیں موجود نہیں۔ جس قلمی نسخے کے مطابق یہ کتاب طبع کی جا رہی ہے، میرے ذاتی کتب خانہ کا نسخہ ہے۔ اس قسم کی کتابیں جب چھپنے لگتی ہیں، تو مختلف نسخوں سے مقابلہ کر کے ان کی صحت کر لی جاتی ہے۔ افسوس ہے کہ اس مثنوی کا کوئی دوسرا نسخہ دستیاب نہ ہو سکا، اس لیے قدرتاً متعدد مقامات کی صحت مشتبہ رہ گئی۔ اس مثنوی کی تصنیف کو ایک صدی سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ اس لیے کہ پورے سو برس مصحفی کی وفات کو ہو چکے ہیں۔ قلمی نسخہ پر سال کتابت ۱۲۱۱ھ درج ہے۔ اس سے چند سال قبل میر تقی میر نے ایک مثنوی دریائے عشق کے نام سے کہی تھی۔ مصحفی نے اس نمونہ کو سامنے رکھ کر بحر سخن میں غواصی کی ہے۔ دونوں کا پلاٹ

ایک ہے، طرز بیان ایک ہے، وزن ایک ہے، زبان ایک ہے، یہاں تک کہ کہیں کہیں الفاظ بھی متحد ہو گئے ہیں، چنانچہ خود مصحفی نے اپنی مثنوی کے آغاز میں میرؔ کے حق تقدم کو تسلیم کیا ہے، فرماتے ہیں ؎

گرچہ ہے کلکِ میر نادر کار تو بھی ندرت کو اپنی کر اظہار

خاتمہ پر پھر اعتراف کرتے ہیں ؎

قصہ ہے ایک اور دو نامہ جیسے اک شخص کے ہوں دو جامہ
میرؔ صاحب نے پہلے نظم کیا میں نے بعد اُن کے ریز ریز کیا

جو قلمی نسخہ پیش نظر ہے۔ چھوٹی تقطیع کے قدیم دبیز کاغذ پر تحریر ہے کاغذ کو اکثر مقامات پر کیڑے کھا گئے ہیں، چنانچہ کہیں کہیں اس قدر کرم خوردہ ہو گیا ہے کہ الفاظ بلکہ مسلّم فقرے غائب ہو گئے ہیں۔ کاتب کوئی صاحب طاہر الزماں نامی ہیں۔ آغاز کتاب میں یہ عبارت درج ہے،

"مثنوی میاں مصحفی سلمہ کہ بر طبق مضمون مثنوی دریائے عشق کہ از میر تقی مرحوم است گفتہ اند"

خاتمہ پر عبارت ذیل درج ہے،

"نوشتہ بہ ماند سیاہ بر سفید نویسندہ را نیست فردا امید
تمت تمام شد مثنوی بحر المحبت میاں مصحفی ساکن لکھنؤ
بہ خطِ محمد طاہر الزماں عفی اللہ عنہ بتاریخ ہشتم ماہ ج الثانی ۱۲۱۱ھ باتمام رسید در ڈیوڑھی یوم"

کاتب صاحب بہت ہی کم استعداد معلوم ہوتے ہیں، املا و کتابت کی بہت موٹی اور فاحش غلطیاں کی ہیں۔ مثنوی کو ہر جگہ "منثوی" لکھا ہے۔ مرقع کو "مرقہ" لکھتے ہیں۔ تہیہ کو "تحیہ" حواس کو "ہُواس" کہار کو

"قہار" "زرا" "ذرہ" "کوہِ غم کو" "کوہے غم"۔ وقس علی ہذا۔

اس کے علاوہ بعض الفاظ کے لیے کاتب صاحب اپنا ایک مخصوص طرز املا رکھتے ہیں۔ جس کی مثالیں اس زمانہ کی طرز کتابت میں عام طور پر بھی ملتی ہیں، مثلاً ان کے "ک" "گ" میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ "گ" کو وہ ایک ہی مرکز دیتے ہیں "تو" کو "توں" لکھتے ہیں۔ نے، کو "نین" آ کو "ا!" وقس علی ہذا۔

سو برس کے عرصہ میں زبان میں جو تغیرات ہو گئے ہیں وہ اہلِ نظر پر مخفی نہیں۔ اس لیے کتاب پر حواشی دینے ضروری تھے۔ لیکن مقابلہ کے لیے کسی دوسرے نسخہ کا موجود نہ ہونا، کاتب نسخہ کی بدخطی، املا کی بہ کثرت غلطیاں، اور پھر کتاب کا جا بجا کرم خوردہ ہونا، ایسی حالت میں یہ کام انجام دینا جس قدر دشوار تھا، اس کا اندازہ وہی حضرات کر سکتے ہیں، جنھیں خود کبھی اس قسم کے کام انجام دینے کا اتفاق ہوا ہے،

اربابِ ذوق سے مشورہ حاصل کرنے کی غرض سے میں نے یہ مثنوی اکتوبر ۱۹۲۱ء کے سہ ماہی رسالہ اُردو میں شائع کر دی تھی۔ اس موقع پر مسرت و ممنونیت کے ساتھ اس کا اظہار کرتا ہوں، کہ حضرات ذیل کے مشوروں سے خاص طور پر مستفید ہوا، مولوی سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی، مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی۔ مولوی عبد السلام صاحب ندوی، مولوی عبد الباری صاحب ندوی اور مولوی عبد الحق صاحب بی۔ اے۔ اڈیٹر اُردو،

عبد الماجد

دریاباد۔ بارہ بنکی

۱۵ اکتوبر ۱۹۲۲ء

# مقدمہ

## مصحفی

نام شیخ غلام ہمدانی تھا۔ والد کا نام شیخ ولی محمد تھا۔ وطن امروہہ (ضلع مراد آباد) تھا۔ نوعمری میں دِلّی آ گئے۔ یہیں طالب علمی کی، علمی و ادبی صحبتوں میں رسائی حاصل کی۔ طبیعت موزوں پائی تھی۔ رفتہ رفتہ شعر کہنے لگے، تخلص مصحفی اختیار کیا۔

مولد و وطن دہلی نہ تھا۔ لیکن دہلی سے انتساب زبان دانوں کے لیے ہمیشہ باعث فخر رہا ہے۔ شیخ صاحب نے بھی چونکہ سکونت یہیں اختیار کر لی تھی، اس لیے اشعار میں فخریہ جا بجا دہلی کو اپنا وطن قرار دیا ہے۔ مثلاً:

دہلی کہے ہیں جس کو زمانہ میں مصحفی
میں رہنے والا ہوں اُسی اُجڑے دیار کا

علمی قابلیت زیادہ نہ تھی۔ تاہم بہ قول صاحب آب حیات "زبان فارسی اور ضروریات شعری سے باخبر تھے اور نظم و نثر کی کتابوں کو اچھی طرح دیکھ کر معلومات وسیع اور نظر بلند حاصل کی تھی۔" اپنے خود نوشت تذکرہ میں ضمناً تحریر فرماتے ہیں،

"از آغاز شباب بہ مقتضائے موزونی مصروف تحصیل علم بود چنانچہ بہ فیض صحبت بزرگان اول از تکمیل نظم و نثر زبان فارسی و تحقیق محاورہ و اصطلاحات آن فراغت کردہ بہ مقتضائے رواج زمانہ آخر کار خود را مصروف ریختہ گوئی

داشتہ لہ[1]"

اس عبارت سے بھی یہی نکلتا ہے، کہ فارسی زبان و انشاء کی استعداد پوری تھی۔

شاگرد کس کے تھے؟ اس تذکرہ سے تمام تذکرے خاموش ہیں۔ البتہ سراپائے سخن میں، جو ۱۲۷۱ھ کی تالیف ہے، ان کے نام کے ساتھ "شاگرد میاں آمانی" درج ہے، [2]

آباو اجداد حکومتِ وقت کے اعلا مناصب پر سرافروز تھے اور خوش حالی سے بسر کرتے تھے۔ زوال سلطنت کے ساتھ ان کی خانگی سلطنت کا بھی شیرازہ منتشر ہوگیا۔ بزرگوں کی فارغ البالی اُن کے حصہ میں نہ آئی۔ اپنے تذکرہ میں خود فرماتے ہیں،

"بزرگانش اباً عن جدٍ نذکری خانہ بادشاہ کردہ انداز ایا مے کہ تفرقہ شدیدے درراہ یافتہ سلطنت این روسیاہ ہم بہ خاک سیاہ برابر شدہ۔ ہمہ از تمتع دنیا بہرۂ وافی داشتند۔ این فقیر چون بخت و طالع آنہا نداشت،" [3]

دہلی میں آکر بارہ برس تک مقیم رہے۔ معاش کی طرف سے سخت پریشانی رہی، جس میں ایک حد تک خود ان کے استغنا کو بھی دخل تھا۔ فرماتے ہیں:

"دوازدہ سال در شاہجہان آباد ..... بہ گوشۂ عزلت خزیدہ .... و ہرگز برائے تلاش معاش دران حشر اجساد اموات

---

[1] تذکرۃ الشعراء، شیخ مصحفی، قلمی، مخزونۂ کتب خانہ ندوۃ العلما لکھنؤ۔

[2] سراپائے سخن، سید محسن علی محسن لکھنوی ص ۱۶۸ مطبوعہ نولکشور [3] تذکرۂ مصحفی، قلمی،

برد ِرکس نرفتہ۔"

آخر کب تک برداشت کرتے۔ لکھنؤ اس وقت آصف الدولہ[1] کا لکھنؤ تھا اور اس کا دربار اہل کمال کا مرجع۔ شاعروں میں میر تقی میرؔ، میرزا رفیع سودا، میر حسن حسنؔ، سید انشاء اللہ خاں انشاؔ، اس بزم کی زیب و زینت تھے، مصحفیؔ نے بھی اسی چمن کو اپنے نشیمن کے لیے انتخاب کیا، دہلی سے لکھنؤ وارد ہوئے۔ ابتداً میرزا سلیمان شکوہ کی سرکار میں متوسل ہوئے۔ اس شعر میں اسی توسل کی جانب اشارہ ہے ؎

تخت طاؤس پہ جب ہوئے سلیماں کا جلوس
مورچھل ہاتھ میں میں بال ہُما کا لے لوں

رفتہ رفتہ دربار شاہی میں بھی رسائی ہو گئی۔

لکھنؤ وارد ہونے کا زمانہ تیرھویں صدی ہجری کا آغاز تھا، ایک معاصر تذکرہ نویس میرزا علی لطف لکھتے ہیں:

"بالفعل کہ بارہ سو پندرہ ہجری ہیں، (مصحفی) ایک چودہ برس سے اوقات لکھنؤ میں بسر کرتا ہے۔"[2]

دہلی کی پریشان حالی نے یہاں بھی ساتھ نہ چھوڑا۔ ساری عمر لکھنؤ میں گذاری، صدہا شاگرد بنائے، جن میں بعض عالی ہمت امرا اور رؤسا بھی تھے، دربار شاہی میں رسائی ہوئی، با اینہمہ فلاکت نے رفاقت نہ چھوڑی۔ تذکرۂ گلشن ہند میں ایک ہم عصر کا بیان ہے،

---

[1] نواب آصف الدولہ کا زمانہ ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء تا ۱۲۱۲ھ/۱۷۹۷ء ہے،

[2] تذکرۂ گلشن ہند (شایع کردہ انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد دکن) ص۱۲۶

"ضیق معاش تو وہاں مدت سے نصیب اہل کمال ہے
اسی طور پر درہم برہم اس غریب کا بھی احوال ہے" (ص ۱۶۶)

احتیاج نے بالآخر شعر فروشی پر مجبور کر دیا۔ ہر مشاعرہ کے لیے متعدد غزلیں کہتے۔ لوگ آتے اور ۸/ سے عہ/ یا اس سے زائد قیمت دے کر انتخاب کر لے جاتے۔ جو کچھ بچ رہتا، وہ خود اپنے لیے رکھتے۔ عموماً یہی غزلیں ہیں، جو اُن کے دواوین میں لکھی چلی آئی ہیں۔ صاحبِ آب حیات کی روایت ہے کہ "ایک مشاعرہ میں جب شعروں پر بالکل تعریف نہ ہوئی، تو انھوں نے تنگ ہو کر غزل زمین پر دے ماری اور کہا کہ روئے فلاکت سیاہ جس کی بدولت کلام کی یہ نوبت پہنچی ہے کہ اب کوئی سنتا ہی نہیں۔ اس بات کا چرچا ہوا تو یہ عقدہ کھُلا کہ ان کی غزلیں بکتی ہیں اچھے اچھے شعر تو لوگ مول لے جاتے ہیں، جو رہ جاتے ہیں وہ اِن کے حصہ میں آتے ہیں۔ [۱]

کثرت تلامذہ کے لحاظ سے مصحفی کو استاذ الاساتذہ کہنا چاہیے۔ جس کثرت سے ان کے شاگرد تھے، وَلی سے لے کر آج تک شاید ہی کسی دوسرے شاعر کو نصیب ہوئے ہوں اور شاگرد بھی اس پایہ کے تھے جو آگے چل کر خود صاحب دیوان و استاد مسلّم قرار دیے گئے۔ مثلاً آتش، اسیر، میر خلیق، شہیدی، ہوس، تنہا، عیشی وغیرہ، آب حیات کی ایک ضعیف روایت کے مطابق ناسخ نے بھی ان سے اصلاح لی تھی۔ [۲]

لکھنؤ کے قیام میں سالہا سال سید انشا سے معرکہ آرائی ہوتی رہی۔ انشا کی طبیعت برجستگی، حاضر جوابی، شوخی و ظرافت کا مجسّمہ تھی۔ مصحفی کی متانت اُن کی چٹکیوں اور گدگدیوں کا جو مخالف کو رُلا رلا دیتی تھیں، مقابلہ نہیں کر سکتی تھی، تاہم اس کمی کی تلافی اُن کی مشاقی، قادر الکلامی و وسعت

---

[۱] آب حیات مولوی محمد حسین آزاد ص ۳۰۰

معلومات کر دیتی تھی۔ ان معرکہ آرائیوں کی دلچسپ روئداد کو "آب حیات" کے ایک جام نے طویل زندگی بخش دی ہے،

مرزا سلیمان شکوہ، ابتداً مصحفی کے خاص سرپرست تھے اور اپنے کلام پر اصلاح بھی لیا کرتے تھے۔ بالآخر سید انشا کی اداؤں پر وہ بھی مفتون ہو گئے اور اپنا کلام انھیں کو دکھانے لگے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ ستم کیا کہ مصحفی کا ماہواری وظیفہ پچیس سے گھٹا کر پانچ کر دیا۔ شیخ صاحب کو عسرت اب زیادہ ستانے لگی۔ ایک مفصل شکایت نامہ لکھا۔ دو شعر یہ ہیں ؎

اے وائے کہ پچیس سے اب پانچ ہیں اپنے — ہم بھی تھے کبھی روزوں میں پچیس کے لائق

استاد کا کرتے ہیں امیر اب کی مقرر — ہوتا ہے جو در ماہہ کہ سائیس کے لائق

کچھ روز کے بعد جب بات زیادہ بڑھی، فریقین ایک دوسرے کی عزت کے خواہاں ہو گئے۔ سلیمان شکوہ نے اب علانیہ سید انشا کا ساتھ دینا شروع کیا۔ ایک مرتبہ ایک سوانگ جو شیخ مصحفی کے فریق نے تیار کیا تھا، اسے کوتوال سے کہہ کر رکوا دیا۔ ضعیف و بدنصیب استاد اس توہین کی تاب نہ لا سکا۔ خمیدہ پشت بیشتر سے تھا، اب دل شکستہ بھی ہو گیا اور ترک سکونت لکھنؤ کا قصد کر لیا۔ یاس و دل شکستگی کا یہ رنگ کلام میں بھی جھلکتا ہے۔ ایک غزل کے مطلع و مقطع میں بھی نوحہ ہی ہے،

جاتا ہوں تیرے در سے کہ توقیر نہیں یاں — کچھ اس کے سوا اب میری تدبیر نہیں یاں

اے مصحفی بے لطف ہے اس شہر میں رہنا — سچ ہے کہ کچھ انسان کی توقیر نہیں یاں

لیکن لکھنؤ سے باہر نکلنا مقدر میں نہ تھا۔ سنہ ۱۲۴۰ھ میں وہیں فوت ہوئے۔ سال ولادت کی پوری تحقیق نہیں بعض اہل تذکرہ سنہ ۱۱۶۴ھ لکھتے ہیں۔ اس حساب سے

۷۶ سال کی عمر پائی۔

تصانیف ذیل ان کی یادگار ہیں،

آٹھ۔ دیوان اُردو

ایک۔ دیوان فارسی

ایک۔ تذکرۂ فارسی

دو۔ تذکرۂ شعراء اُردو

لیکن یہ تمام چیزیں اب تقریباً نایاب ہیں مکمل دواوین تو شاید کہیں بھی موجود نہ ہوں۔ ایک تذکرہ کتب خانۂ ندوۃ العلما میں ہے، بعض دواوین کتب خانۂ حسرت موہانی میں ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا ایک انتخاب دواوین حسرت نے شائع کیا ہے،

ان کے باکمال و استاد فن ہونے پر شروع سے اب تک تمام تذکرہ نویس و نقّادانِ سخن متفق رہے ہیں۔ بلکہ بعض نے تو ان کی مدح میں غلو سے کام لیا ہے، چند اقتباسات قابل ملاحظہ ہیں،

ایک معاصر، مرزا علی لطف، صاحب گلشن ہند کا بیان ہے:

وہ اپنی قوم کا اشراف ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ گفتگو اس کی بہت صاف صاف ہے۔ بندشِ نظم میں اس کی ایک صفائی اور شیرینی ہے۔ اور معنی بندش میں اس کی بلندی اور رنگینی،، [1]

نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی جن کی سخن سنجی و نکتہ رسی کی داد مرزا غالب تک دیتے تھے، فرماتے ہیں:۔

---

[1] گلشن ہند ص ۱۶۵-۱۶۶

"دربلاد مشرق بسیار مسلّم و در استادی علم بوده، و اکثر سخنوران آن بلدان اکتساب فن از وکرده اند، ہر چند بہ تقاضائے شیوۂ بسیار گویان اکثر کلامش بہ کم پایہ و از لطائف خالی ست. امّا گزیدہ اشعار او در نہایت رُتبت والاد مرتبت عالی ست." [1]

ایک اور سخن فہم تذکرہ نویس کا خیال ہے:-

"دربلاد مشرق مسلّم الثبوت بود، و در اُستادی وے سخن نیست. بر جمیع اصناف سخن قدرتے داشت تمام" [2]

دورِ حاضر کے ایک مستند سخن سنج مولوی فضل الحسن حسرت موہانی کی رائے ہے:

"میر تقی کے رنگ میں مصحفی، میر حسن کے ہم پلہ، سودا کے انداز میں انشا کے ہم پایہ، اور جعفر علی حسرت کی طرز میں جرأت کے ہمنوا ہیں۔ لیکن بہ حیثیت مجموعی ان سب ہمعصروں سے بہ اعتبار کمالِ فن، سخندانی و مشاقی برتر ہیں۔ اور یہیں سے ہے کہ راقم کی نگاہ میں، میر اور میرزا کے بعد کوئی استاد اُن کے مقابلہ میں نہیں جچتا" [3]

---

[1] گلشن بیخار، شیفتہ ص ۱۷۸

[2] تذکرۂ طورِ کلیم، نواب نور الحسن خاں، ص ۹۱

[3] رسالہ اُردوئے معلیٰ جلد ۶ نمبر ۶ بابتہ جون ۱۹۰۶ء)

شمس العلماء مولوی محمد حسین آزاد نے جو رائے ان کے کلام کی بابت ظاہر کی ہے، وہ اس درجہ منصفانہ و محققانہ ہے، کہ ذیل میں اس کا ایک طویل اقتباس درج کیا جاتا ہے۔

"دیوان اُن کی اُستادی کو مسلّم الثبوت کرتے ہیں، انواع و اقسام کی صدہا غزلیں ہیں۔ جو غزلیں نہایت سنگلاخ زمینوں میں لکھی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کثرتِ مشق سے کلام پر قدرتِ کامل پائی ہے، الفاظ کو پس و پیش اور مضمون کو کم و بیش کر کے اس درو بست کے ساتھ شعر میں کھپایا ہے، کہ جو حق استادی کا ہے، ادا ہو گیا ہے۔ ساتھ اس کے اصل محاورہ کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ طبیعت رواں تھی، پُرگوئی کے سبب سے وہ لطف کلام میں نہ پیدا ہوا۔ غزلوں میں سب رنگ کے شعر ہوتے تھے، کسی طرزِ خاص کی خصوصیت نہیں۔ بعض تو صفائی اور برجستگی میں لاجواب ہیں۔ بعض میں یہی معمولی باتیں ہیں جنہیں ڈھیلی ڈھیلی بندشوں میں باندھ کر پھسر پھسر برابر کہتے چلے گئے ہیں،

غرض شعر کی ہر شاخ کو لیا ہے۔ اور جو قواعد و ضوابط اس کے پرانے استادوں نے باندھے ہیں، اُن کا حق حرف بحرف پورا ادا کیا ہے۔ ہاں اپنے ہمعصروں کی طرح طبیعت میں چلبلاہٹ اور بات میں شوخی نہیں پائی جاتی، کہ یہ کچھ اپنے اختیار میں نہیں خداداد بات ہے۔"[1]

---

[1] آبِ حیات ص ۲۹۷-۲۹۹

راقم سطور کے نزدیک آزاد مغفور کی رائے حرف بحرف صحیح ہے، مصحفی میں زبان دانی، مشاقی و پختگی کلام کے اوصاف بہ وجہ اتم موجود تھے لیکن طبیعت شاعرانہ نہیں پائی تھی۔ قواعد فن کے لحاظ سے ہر شعر کانٹے کی تول جچا تُلا ہوتا تھا، لیکن درد و گداز، جوش و خروش، نزاکت و لطافت، تخئیل، برجستگی و بیساختگی کے جوہر عطیۂ فطرت ہوتے ہیں۔ مشاقی و پُرگوئی، کسب و اکتساب سے اس محرومی کی تلافی نہیں ہو سکتی، بہ حیثیت مجموعی ان کا نام اساتذۂ شعرا اُردو کی فہرست میں عرصۂ دراز تک زندہ رہے گا،

ذیل میں ان کے بلند و پست ہر قسم کے اشعار کا ایک مختصر انتخاب دیا جاتا ہے۔ جس سے ان کے رنگ تغزل و مثنوی گوئی کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا۔ قصائد کا رنگ بھی غزلیات ہی سے ملتا جلتا ہوا ہے۔ یعنی شکوہ الفاظ، بلندی مضامین، صحت تراکیب میں کلام نہیں۔ لیکن ساتھ ہی بندش کا ڈھیلا پن اور کلام کی بے تاثیری بھی موجود ہے،

رعایت لفظی[1]

زبس آئینہ رو ہے طفلِ حجام — نہیں بن دیکھے اس کے دل کو آرام

---

ملاجب آئینہ کو ایسا نائی — بنائی چار ابرو کی صفائی

---

[1] شاعر غریب ہر زمانہ کے مذاق کو اپنا تبع کیوں کر رکھ سکتا ہے، آج جو اشعار قابل مضحکہ سمجھے جائیں گے، سو برس اُدھر انھیں کو لکھنؤ میں شاعری کی جان سمجھا جاتا تھا،

نہ کھینچے نامۂ مو اس کی تمثال
کہ ہے وہ عاشقوں کے ناک کا بال

---

آ گیا خط پہ سرِ مو نہ گیا نازِ ہنوز
ہے اسی ڈھب پہ نگاہِ غلط انداز ہنوز

---

سبز پوشی کا تری دیکھ کے جلوہ شبِ عید
شمع مومی سے جلی سرو چمن کی بتی

---

پھول جھڑتے ہیں منہ اس کے سے ہزاروں مجھ کو
گالیاں گر کبھی وہ غنچہ دہاں دیتا ہے

---

## سلاست و صفائیِ بیان

درد و غم کو بھی ہے نصیبہ شرط
یہ بھی قسمت سوا نہیں ملتا

---

کہتے ہو ایک آدھ کی ہے میرے ہاتھ موت
ہم بھی سمجھتے ہیں، یہ سناتے ہو ہم کو کیا

---

نہ کہیں صبح ہی ہوتی ہے نہ خواب آتا ہے
رات کیا آتی ہے اک مجھ پہ عذاب آتا ہے

---

ہائے کعبہ سے پھرا اب تک نہ ہرگز مصحفیؔ
اس کو واں کیا جانے کس بت سے محبت ہو گئی

---

پردۂ خاک میں سو سو رہے جا کر افسوس
پردۂ رخسار یہ کیا کیا مہ تاباں لے کر

---

## معاملہ بندی

میں عجب یہ رسم دیکھی مجھے روز عید قرباں
وہی ذبح بھی کرے ہے لے وہی ثواب الٹا

---

آنکھ سیدھی نہیں کرتے کہ مقابل ہو نگاہ
آرسی ناز سے وہ دیکھے ہے شرمائے ہوئے

---

کیا خطا مجھ سے ہوئی رات کہ اس کا فر کا
میں نے خود چھوڑ دیا ہاتھ میں داماں لے کر

---

تب ہو عاشق کی شب وصل تسلی اے گل
مصرف بوسہ ہو جب گل دہن سرخ ترا

---

چین سے کیونکہ میں سوؤں کہ شب وصل مجھے
یاد آتا ہے وہ راتوں کا جگانا تیرا

---

پاؤں پر پاؤں جو سوتے میں رکھا شب اس کے
کیا کڑے اوس کے اُلجھ کر کے لڑے پاؤں کے

---

## لطافت مضمون

تھا آپ ہی دیوان مرا نامۂ اعمال
کاہے کو فرشتوں نے لکھا نامۂ اعمال

---

کیا یار کے دامن کی خبر پوچھے ہو ہم سے
یاں ہاتھ سے اپنا ہی گریبان گیا تھا

---

تو دیکھے تو اک نظر بہت ہے
اُلفت تیری اس قدر بہت ہے

---

وعدۂ قتل سے رکھتا ہوں دل اپنے کو میں شاد
کہ اسی وعدہ میں اک وعدۂ دیدار بھی ہے

---

وہ جی میں یہ نازاں کہ مرا رعب تو دیکھو
میں خوش کہ خیالِ نگہ دور کئے ہے

---

تھا اگر روزِ قیامت تو بھی ہم شاداں رہے
وہ جو اِک دن اسکے ملنے کا مقرر ہو گیا

---

## روزمرّہ

تیرے کوچہ ہر بہانہ مجھے دن سے رات کرنا
کبھی اِن سے بات کرنا کبھی اون سے بات کرنا

---

غم کھاتا ہوں جتنا مری نیّت نہیں بھرتی
کیا غم ہے مزے کا کہ طبیعت نہیں بھرتی

---

صبح کی شام ہوئی شام کی پھر رات ہوئی
یہی وعدہ ہیں تو کب اون سے ملاقات ہوئی

---

آہ نکلی تو دل سے ہے لیکن
آہ کیا جی جلا کے نکلی ہے

---

پھر چاندنی کا لطف ہوا اور بھی دوچند
اِک چاندنی بھی جبکہ شب ماہ کھنچ گئی
شب مصحفی سے دیکھ کے تجھکو کھنچا ہوا
ابرو بھی تیری اے بُتِ گمراہ کھنچ گئی

## تعلّی

اور بھی کہہ کر تو سنا دے اچھی سی غزل
تازہ معنی کا تو آخر مصحفی خلاق ہے

کچھ میں جرأت نہیں ہوں مصحفی سحر بیاں
میر و مرزا سے لڑانے یہ غزل جاؤں گا

---

خامش ہیں ارسطو و فلاطوں مرے آگے
دعویٰ نہیں کرتا کوئی موزوں مرے آگے

باندھے ہوئے ہاتھوں کو بہ امید اجابت
رہتے ہیں کھڑے سیکڑوں مضموں مرے آگے

سب خوشہ رُبا ہیں مرے خرمن کے جہاں میں
کیا شعر پڑھے گا کوئی موزوں مرے آگے

استاد ہوں میں مصحفی حکمت کے بھی فن میں
ہے کودک نو درس فلاطوں مرے آگے

---

## تصوف

کہیں کہیں صوفیانہ رنگ کے بھی اشعار کہے ہیں، اور حق یہ ہے کہ جب کہتے ہیں تو خوب کہتے ہیں، ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں،

مخلوق ہوں یا خالقِ مخلوق نما ہوں
معلوم نہیں مجھکو کہ میں کون ہوں کیا ہوں

ہوں شاہد تنزیہ کے رخسار کا پردہ
یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردہ میں چھپا ہوں

ہستی کو مری، ہستیٔ عالم نہ سمجھنا
ہوں ہست تو پر ہستیٔ عالم سے جدا ہوں

یہ کیا ہے کہ مجھ پر مرا عقدہ نہیں کھلتا
ہر چند کہ خود عقدہ و خود عقدہ کشا ہوں

اے مصحفی شانیں ہیں، مری جلوہ گری میں
ہر رنگ میں میں مظہرِ آثارِ خدا ہوں

---

## چند غزلوں کے مسلسل اشعار

اس دل میں تیرے ملنے کا ارمان رہ گیا
یہ دل تڑپ تڑپ کے مری جان رہ گیا

سمجھے وہ مرغ خستہ مرے اضطراب کو
سینہ میں جس کے ٹوٹ کے پیکان رہ گیا

نازاں تھا اپنے حُسن وصفائی پہ آئینہ
صورت کو تیری دیکھ کے حیران رہ گیا
آیا یہ کار، بخیۂ زخم اپنے ہاتھ سے
ثابت جو کوئی تار گریبان رہ گیا
دنیا سے ہم چلے گئے ناچار مصحفی
اِک یادگار اپنا یہ دیوان رہ گیا

---

ہے یہاں کس کو دماغ انجمن آرائی کا
اپنے رہنے کو مکاں چاہیے تنہائی کا
باغ میں اگتے ہیں واں سے گلِ رعنا اب تک
جس جگہ سایہ پڑا تھا تری رعنائی کا
رہزنِ قافلۂ دل ہوئیں جب وہ مژگان
پہلے اسباب لٹا صبر و شکیبائی کا
شیشۂ دل کو مرے چور کیا جو اوس نے
کیا لیا تھا میں بھلا گنبدِ مینائی کا
مصحفی اِک غزل اِس مُردہ زمیں میں لکھ اور
گر تجھے شعر میں دعویٰ ہے مسیحائی کا

---

جب واقف راہ و روش ناز ہوئے تم
عالم کے میاں خانہ بر انداز ہوئے تم
نسبت تمہیں کیا تازہ نہالانِ چمن سے
اب نام خدا سرو سرافراز ہوئے تم
میں تم سے نہ بولوں گا کبھی اے لب بستہ
اوس بن بہ تبسم بھی اگر باز ہوئے تم
پہنے سے میاں جامۂ گل دوز کے بر میں
طاؤس صفت اور بھی طناز ہوئے تم
اے مصحفی مرغانِ چمن رہ گئے خاموش
جب باغ میں جا زمزمہ پرداز ہوئے تم

---

گر ابر گھرا ہوا کھڑا ہے
آنسو بھی تلا ہوا کھڑا ہے
حیران ہے کس کا جو سمندر
مدت سے رُکا ہوا کھڑا ہے
خلوت ہو کبھو تو یوں کہے وہ
کوئی در سے لگا ہوا کھڑا ہے
تیرا ہی ہے انتظار اوس کو
ناقہ تو کسا ہوا کھڑا ہے
اے جان نکل کہ مصحفی کا
اسباب لدا ہوا کھڑا ہے

---

سچ ہے جی عشق کا بیمار بُرا ہوتا ہے
دل کا آزار ہی آزار بُرا ہوتا ہے

جی ہی لے جائے ہے فریاد و فغاں کر کر کے
دامِ الفت کا گرفتار بُرا ہوتا ہے

جس نے دیکھا تجھے قبضہ پہ دھرے ہاتھ کہا
ہائے اس وضع کا خونخوار بُرا ہوتا ہے

اس کا پینا نہیں مقدور ہر اک کا ساقی
عشق کا ساغرِ سرشار بُرا ہوتا ہے

آپ کو مار ہی مرتا ہے میں دیکھا ہے بہت
مصحفی عاشقِ ناچار بُرا ہوتا ہے

---

# بحر المحبّت

اور

# دریائے عشق

جیسا کہ دیباچہ میں گزر چکا ہے "بحر المحبت" کی تالیف سے قبل میر تقی میر کی مثنوی "دریائے عشق" شائع ہو چکی تھی، مصحفی نے اسی نمونہ کو سامنے رکھ کر بحر سخن میں شناوری کی ہے، اور کمال فیاضی و فراخ دلی سے میر صاحب کے حق تقدم و مرتبۂ کمال کا اعتراف کیا ہے، ابتدا میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ ہے کلک میر نادر کار — تو بھی ندرت کو اپنی کر اظہار (۹)

خاتمہ پر دوبارہ کہتے ہیں،

قصہ ہے ایک اور دو نامہ — جیسے اِک شخص کے ہوں دو جامہ (۲۵۴)

میر صاحب نے پہلے نظم کیا — میں نے بعد اون کے ریز و برز کیا (؟) (۲۵۵)

جیسے میروں میں شان ہے کچھ اور — ہم فقیروں میں شان ہے کچھ اور (۲۵۸)

دونوں کا پلاٹ ایک ہے، طرز بیان ایک ہے، وزن ایک ہے، اور چونکہ زمانۂ تالیف ایک ہے، اِس لیے زبان بھی قدرۃً ایک ہے، یہاں تک کہ کہیں کہیں الفاظ بھی متحد ہو گئے ہیں،

میر صاحب نے شروع کے ۳۲ شعروں میں عشق کے عام کارنامے بیان کیے ہیں، مثلاً

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال ہر جگہ اوس کی اک نئی ہے چال
دل میں جاکر کہیں تو درد ہوا کہیں سینہ میں آہ سرد ہوا
کہیں آنکھوں سے خون ہو کے بہا کہیں سر میں جنون ہو کے رہا
کسو چہرہ کا رنگ زرد ہوا کسو محمل کے آگے گرد ہوا
کبھو افغانِ مرغِ گلشن تھا کبھو قمری کا طوق گردن تھا

مصحفی کے ہاں بھی تمہید کے ۱۲ شعر اسی رنگ کے ہیں،

آغاز داستان میں میر صاحب اپنے ہیرو کا تعارف اس طرز و انداز سے کرتے ہیں،

اک جا اک جوان خوش رعنا لالہ رُخسار سرو بالا تھا
عشق رکھتا تھا اوس کی چھاتی گرم دل وہ رکھتا تھا موم سے بھی نرم
شوق تھا اوس کو صورتِ خوش سے انس رکھتا تھا وضع دلکش سے
تھا طرحدار آپ بھی لیکن رہ نہ سکتا تھا اچھی صورت بِن
دیکھتا گر کوئی وہ خوش پرکار رہتا خمیازہ کش ہی لیل و نہار
سر میں تھا شوق ذوق دل میں تھا عشق ہی اوس کے آب و گل میں تھا

مصحفی کا ہیرو بھی ٹھیک ایسا عاشق مزاج و حُسن پرست ہے، (ش ۳-۲)

دونوں ہیرو و عاشق بھی بالکل ایک ہی طریقے سے ہوتے ہیں، یعنی سیر چمن سے واپسی کے بعد نگاہ ایک رہگذر میں کسی بالاخانہ پر جاتی ہے، اور طرفین کے دل فوراً بسمل ہو جاتے ہیں، میر صاحب فرماتے ہیں ؎

دیکھ گلشن کو ناامیدانہ مُنھ کیا ان نے جانبِ خانہ

ناگہہ اِک کوچہ سے گزار ہوا — آفتِ تازہ سے دوچار ہوا
اک غرفہ سے ایک مہ پارہ — تھی طرف اوس کے گرم نظارہ
پڑ گئی اوس پہ اک نظر اس کی — پر نہ آئی اسے خبر اس کی
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ — صبر رخصت ہوا اک آہ کے ساتھ

ٹھیک یہی کیفیت بحر المحبت کے ہیرو کو بھی پیش آئی ہے، (ش ۲۳، ۲۷)
کچھ دیر کے بعد دریائے عشق کی ہیروئن، اُٹھ کر چلی جاتی ہے، عاشق صاحب خاک پر لوٹنے لگتے اور خونِ جگر پینے لگتے ہیں سے

جھاڑ دامن کے تئیں وہ مہ پارہ — اوٹھ گئی سامنے سے یکبارہ
دل پہ کرنے لگا طپیدن ناز — رنگ چہرہ سے کر چلا پرواز
طبع نے اِک جنوں کیا پیدا — اشک نے رنگِ خون کیا پیدا
بسترِ خاک پر گرا وہ زار — درد کا گھر ہوا دلِ بیمار

مصحفیؔ نے اس کوچہ میں بھی ایک ایک قدم میر صاحب کے قائم کیے ہوئے راستہ پر اٹھایا ہے، (ش ۳۸، ۴۷)
میر صاحب اپنے ہیرو کی شوریدہ سری کی تصویر یوں کھینچتے ہیں

خو ہوئی نالۂ حزیں کے ساتھ — رابطہ آہِ آتشیں کے ساتھ
ہونٹھ سوکھے تو خونِ ناب ملا — خواب اور خور دونوں کو جواب ملا
کچھ کہا گر کسو نے شفقت سے — رو دیا اوس نے ایک حسرت سے
جا کے اوس کے قریب در بیٹھا — قصد مرنے کا اپنے کر بیٹھا
دل نہ سمجھا کہ اضطراب کیا — شوق نے کام کو خراب کیا
جو کہ سمجھے تھے اس کو دیوانہ — رحم کرتے تھے آشنا یا نہ
عاشق اس کو کسو کا جان گئے — سب برا اِس ادا سے مان گئے

مصحفی کا ہیرو اس حیثیت سے بھی اپنے پیشرو کا گویا بالکل مُثنّیٰ تھا، (شعر ۴۸۔ ۵۵)

میرؔ صاحب کے ہیرو کے عشق کا چرچا جب پھیلتا ہے، تو معشوقہ کے اہل خاندان سخت برہم ہوتے ہیں، اور عاشق کے قتل کا قصد کر بیٹھتے ہیں، لیکن عاقبت اندیشی نتائج سے ڈراتی ہے، اس لیے رائے یہ قرار پاتی ہے، کہ اسے دیوانہ قرار دے کر ہر طرح ذلیل و خوار و رسوا کیا جائے، اور زد و کوب کی سخت سے سخت سزائیں دی جائیں، چنانچہ اس تدبیر پر پورا عمل کیا جاتا ہے ؎

وارث اوس کے بھی بدگمان ہوئے | در پئے دشمنیِ جان ہوئے
مشورت تھی کہ مار ہی ڈالیں | دفعتہً اس بلا کو یوں ٹالیں
پھر یہ ٹھہری کہ ہوں گے ہم بدنام | سُن کے آخر کہیں گے خاص و عام
کیا گنہ تھا کہ یہ جوان مارا | کس نے مارا اسے کہاں مارا
کیجیے ایک ڈھب سے اس کو تنگ | تا نہ عائد ہو اپنی جانب ننگ
تہمتِ خبط رکھیے اس کے سر | کیجیے سنگسار اس کو پھر
دیجیے دیوانہ اس جواں کو قرار | ہو گئے سارے در پئے آزار
ایک نے سخت کہہ کے تنگ کیا | ایک نے آ کے زیرِ سنگ کیا
کی اشارت کہ کو دکانِ شہر | آئے لبریز غصہ و پُر قہر

قریب قریب یہی سرگزشت بحر المحبت میں ملے گی۔ (شعر ۶۱۔ ۷۹)

لیکن یہ تمام سنگساری و خاکباری بالکل بے اثر رہی عاشق خیالِ یار میں محو و مست تھا۔ اسے کسی سختی کی مطلق پروا نہ تھی، عشق کی شوریدگی برابر بڑھتی گئی ؎

گرچہ ہنگامہ اوس کے سر پر تھا — لیک روئے دل اِس کا اودھر تھا
محو تھا اس کے یہ خیال کے بیچ — تھا گرفتار اپنے حال کے بیچ
ہونٹھ پر حسن کا بیاں اوس کا — تھا سر سنگ آستاں اوس کا
جی میں کہتا کہ آہ مشکل ہے — اِس طرف یک نگاہ مشکل ہے
بس تغافل ہوا ترحم کر — گوشِ دل جانب تظلم کر
کون کہتا ہے رہ نہ محوِ ساز — پر نہ اتنا کہ جی سے جائے نیاز

میر صاحب نے اس داستان کو بہت پھیلا کر لکھا ہے۔ مصحفی اس میدان میں بھی بالکل انھیں کے نقش قدم پر چلے ہیں، اور حق یہ ہے کہ بعض اشعار بہت ہی خوب نکالے ہیں۔ (ش ۸۰-۱۱۰)

لڑکی والوں نے جب دیکھا کہ یہ وار خالی گیا اور رسوائی روز افزون ہے تو رائے یہ قائم کی کہ صاحبزادی کو اپنے ایک عزیز کے ہاں منتقل کر دیں، جن کا مکان دریا کے پار تھا، چنانچہ ایک جہاں دیدہ دایہ کو ہمراہ کر کے لڑکی کو رخصت کر دیا، میر صاحب فرماتے ہیں ؎

عشق بے پردہ جب فسانہ ہوا — مضطرب کدخدائے خانہ ہوا
گھر میں جا بہر دفعِ رسوائی — بیٹھ کر مشورت یہ ٹھہرائی
یاں سے یہ غیرتِ مہ تاباں — جا کے چندے رہے کہیں پنہاں
شب محافہ میں کر کے اس کو سوار — ساتھ دی ایک دایۂ غدار
پار دریا کے جلد رخصت کی — اس طرح فکر رفع تہمت کی
گھر تھا اِک آشنا کا مد نگاہ — واں ہو روپوش تا یہ غیرتِ ماہ

مصحفی کی ہیروئن کے لیے بھی بعینہٖ یہی تدبیر عمل میں لائی گئی، لیکن اس ٹکڑے کے بیان میں میرؔ و مصحفیؔ کی داستان میں کسی قدر فرق ہے،

میر صاحب کے ہاں خاندان والوں نے لڑکی کو خاموشی کے ساتھ یک بیک رُخصت کر دیا ہے، بہ خلاف اس کے مصحفی کے ہاں جہاں لڑکی کی رُخصتی دکھائی گئی ہے، وہاں لڑکی والوں کی دماغی و نفسی کیفیات کی بھی پوری تشریح ملتی ہے اور یہ اضافہ مصحفی کے کمال کی دلیل ہے، "بحر المحبت" کے اشعار ذیل ملاحظہ ہوں ؎

| | | |
|---|---|---|
| (شعر ۱۱۶) | وارث اس نازنیں کے دیکھ یہ حال | لائے سو سو طرح سے دل میں خیال |
| (۱۱۷) | جب نہ بن آئی اور کچھ تدبیر | یہی سوچے کہ اب بلا تا خیر |
| (۱۱۸) | یاں سے لے جا کے اس صنم کے تئیں | چندے پوشیدہ رکھیں اور کہیں |
| (۱۲۰) | پار دریا کے اِک ٹھکانا تھا | ان کا کوئی وہاں یگانہ تھا |
| (شعر ۱۲۱) | اِن سے اور اون سے تھی شناسائی | دوستی یکدلی و یک جائی |
| (۱۲۲) | اعتماد یگانگت بھی تھا | اتحادِ موانست بھی تھا |
| (۱۲۳) | شاہد مہر جب ہوا روپوش | اور شب آئی ہو گلیم بدوش |
| (۱۲۴) | ایک محافہ میں کر سوار اسے | ساتھ دایہ کے بھیجا پار اوسے |
| (۱۲۵) | کہہ دیا یوں کہ یاں یہ رشکِ بہار | ان دنوں رات دن رہی تھی زار |
| (۱۲۶) | خود بخود اس کے دل پہ غم تھا کچھ | بے جہت متصل الم تھا کچھ |
| (۱۲۷) | دن کو بستر پہ زار رہتی تھی | شب کو اختر شمار رہتی تھی |
| (۱۲۸) | خواب اور خور میں آگیا تھا قصور | اوس کو تبدیل مکان تھا ضرور |
| (۱۲۹) | اس لیے ہم نے اوس کو واں بھیجا | کہ بیاباں کی راس آئے ہوا |

ناظرین دونوں مثنویوں کا مقابلہ کر کے پڑھیں تو خود نظر آ جائے گا کہ اس موقع پر مصحفی کا بیان بہت زیادہ نفسیات بشری کے مطابق ہے،

گھر سے محافہ جونہی نکل کر روانہ ہوا ہے عاشق، کو بھی خبر ہو گئی ہے، اور وہ ساتھ ہو لیا ہے، میرؔ و مصحفیؔ دونوں نے اس موقع پر جذبات عشق کی تشریح کی ہے، میر صاحب فرماتے ہیں ؎

گھر سے باہر محافہ جب نکلا — اوس جواں کے پاس ہو کے تب نکلا
طپش دل سے ہو کے یہ آگاہ — ہو لیا ساتھ اس کے بھر کر آہ
جس سے جی کو کمال ہو الفت — جس سے دل کی درست ہو نسبت
جنبش اوس کی پلک کو گرداں ہو — دل میں یاں کاوش نمایاں ہو
یار کو دردِ چشم گر ہووے — چشمِ عاشق لہو میں تر ہووے

مصحفیؔ نے ان واردات قلب کی تصویر زیادہ تفصیل اور خوش اسلوبی کے ساتھ کھینچی ہے۔ (بحر المحبت شعر ۱۳۲ تا ۱۶۱)

بالآخر جب طاقتِ ضبط نہ رہی، تو دل کے جذبات زبان پر آ گئے، دریائے عشق میں ہے ؎

رفتہ رفتہ سخن ہوئے نالے — اُڑنے لاگے جگر کے پر کالے
اضطرابِ دِلی نے زور کیا — دل نے بے اختیار شور کیا
دل کے غم کو زبان پر لایا — آفتِ تازہ جان پر لایا
کائے جفا پیشہ و تغافل کیش — اِک نظر سے زباں نہیں کچھ بیش
مُنھ چھپایا ہے تو نے اس پر بھی — نگہِ التفات ادھر بھی

اس طرح کے بہت سے اشعار ہیں، یہ نقش مصحفیؔ کے ہاں ذرا اُجاگر ہے، (۱۶۲ تا ۱۷۲)

دایہ ایک ہی جہاں دیدہ تھی، یہ آواز سن کر وہ عاشق کو اپنے پاس بلاتی ہے اور وعدۂ وصل دلا کر اسے اپنے ہمراہ کشتی پر بٹھا لیتی

ہے ؎

گوش زد دایہ کے ہوئے یہ سخن ۔۔۔ تھی وہ استاد کار حیلہ و فن
پاس اوس کو بلا تسلی کی ۔۔۔ وعدۂ وصل سے تشفی کی
زار نالی نہ کر شکیبا ہو ۔۔۔ عشق کا راز تا نہ رسوا ہو
سخت دل تنگ تھی یہ غیرتِ ماہ ۔۔۔ قطع تجھ بن نہ ہو سکی تھی راہ
بزم عشرت کریں گے باہم ساز ۔۔۔ ہو جیو اپنی دوست کا دمساز
دے کر اوس کو فریب ساتھ لیا ۔۔۔ دل عاشق کو اپنے ہاتھ لیا

مصحفی کے ہاں یہی حکایت کسی قدر تفصیل کے ساتھ دہرا دی گئی ہے شعر ۱۸۷-۱۷۳

جان باختہ عاشق، محافہ کے ہمراہ کشتی پر سوار ہو لیا، دایہ کا مقصد بہانہ سے اس کی جان لینا تھا، جب کشتی وسطِ آب میں پہنچی، تو دایہ نے معشوقہ کی جوتی دریا میں پھینک دی، اور عاشق سے کہا، کہ "اگر پاسِ عشق و دعوئے محبت ہے، تو اِس جوتی کو نکال لا، اور اگر جان عزیز ہے، تو خواہ مخواہ عاشقی کو کیوں بدنام کیا" میر صاحب ارشاد کرتے ہیں،

بیچ دریا کے دایہ نے جا کر ۔۔۔ کفش اوس گل کی اوس کو دکھلا کر
پھینکی پانی کی سطح پر یک بار ۔۔۔ اور بولی کہ او جگر افگار
حیف تیری نگار کی پاپوش ۔۔۔ موج دریا سے ہوئے ہم آغوش
غیرتِ عشق ہے تو لا اس کو ۔۔۔ چھوڑ مت یوں برہنہ پا اس کو
اس طرف آب کے اوترنا ہے ۔۔۔ اس نواحی کی سیر کرنا ہے
پاؤں اس کے جو ہیں فگار آلود ۔۔۔ ظلم ہے ہوئیں گر غبار آلود
جس کفِ پا کو رنگ گل ہو بار ۔۔۔ منصفی ہے کہ خار سے ہو فگار

ان یہ نرمی میں گل سے ہوں جو بڑے — آبلہ چشم کو سیاہ کرے
یہ روا ہے تو اپنے حال پہ رو — مفت ناموس عشق کو مت کھو
جی اگر تھا عزیز اے ناکام — کیوں عبث عشق کو کیا بدنام

مصحفی نے درمیان کے بہت سے اشعار حیلۂ زنان۔ (۱۹۲۔۱۹۵) جوش دریا (۲۰۲۔۲۱۳) وغیرہ سے متعلق اضافہ کیے ہیں۔ اس کے بعد دایہ کی اس چال کا ذکر کیا ہے ش ۲۲۰۔۲۲۲

مصحفی نے اس موقع پر جو نکتہ بلاغت مرعی رکھا ہے، وہ خاص طور پر قابل لحاظ ہے۔ دریا میں جوتی پھینکنے کے بعد میر صاحب نے دایہ کی زبان سے ایک پوری تقریر نقل کر دی ہے جو آٹھ شعروں میں آئی ہے، اور جس میں طرح طرح کے واسطے دلا کر عاشق کو اس کے نکال لانے پر اکسایا ہے، مصحفی نے اس ساری تقریر کے بجائے اس مفہوم کو صرف تین لفظوں میں ادا کر دیا ہے۔

## "ہاں میاں لینا"

بلاغت کے رمز شناس جانتے ہیں کہ یہ طریق ادا اس موقع کے لیے کتنا مناسب و مؤثر ہے، طویل تقریر کے لیے اس موقع پر نہ وقت نکل سکتا تھا، اور نہ ایسے جانباز عاشق کے لیے مطلق حاجت تھی کہ اسے غیرت دلا کر اس کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اس کے لیے تو صرف چشم و ابرو کا اشارہ کافی ہو سکتا تھا، مصحفی نے ساری روداد تین شعروں میں بجائے میر تقی کے گیارہ شعروں کے قلم بند کر دی ہے

پہونچی کشتی جو بیچ میں اک بار — ہوئی سرگرم حیلہ وہ غدّار (ش ۲۲۰)

امتحاناً بروئے سطحِ آب | یعنی کفش اوس پری کی پرتاب (ش ۲۲۱)
تھا جو منظور اوسکو جاں لینا | پھر کہا یہ کہ ہاں میاں لینا (ش ۲۲۲)

میر صاحب کے عام مرتبۂ استادی میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے، لیکن اس موقع پر مصحفی نے ان سے بڑھکر اپنے کمال کا ثبوت دیا ہے، بہرحال کفش کے گرتے ہی جوان دریا میں کودا، کودتے ہی ڈوبا، اور ایسا ڈوبا کہ پھر نعش تک نہ اُبھری، میر صاحب اس غرقابی پر یوں آنسو بہاتے ہیں ؎

کھنچ گیا قعر کو وہ گوہر ناب | تھی کشش عشق کی مگر تہ آب
کہتے ہیں ڈوبتے اوچھلتے ہیں | ڈوبے ایسے کوئی نکلتے ہیں
ڈوبے جو یاں کہیں وہ جا نکلے | غرق دریائے عشق کیا نکلے

مصحفی نے یہاں بھی ذرا زیادہ تفصیل سے کام لیا ہے، اور عشق کی عام قربانیوں پر نوحہ کیا ہے (ش ۲۲۷۔۲۳۹)

لڑکی نے چند روز (بہ قول میر صاحب کے ایک ہفتہ) کے بعد دایہ سے کہا کہ جو باعث رسوائی تھا، وہ تو غرق ہی ہو گیا۔ مجھے گھر واپس لے چلو، یہاں میری طبیعت کو اور وحشت ہوتی ہے، اب گھر چلنے میں کیا مضائقہ ہے،

قصہ کوتاہ بعد یک ہفتہ | آکے وہ رشک مہ زخود رفتہ
کہنے لاگی کہ اب تو اے دایہ | ہو گیا غرق وہ فرو مایہ
اب تو وہ ننگ درمیاں سے گیا | آرزو مند اِس جہاں سے گیا
شور فتنے تھے اس تلک سارے | اب تو بدنامیاں نہیں بارے
مصلحت ہے کہ مجھکو لے چل گھر | ایک دو دم رہیں گے دریا پر

مصحفی نے اس تقریر کو زیادہ شرح و بسط کے ساتھ ادا کیا ہے۔
(۲۷۰-۲۵۵)

البتہ اس سلسلہ میں اُن کا ایک شعر کسی قدر توضیح طلب ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

ایک دن دایہ سے کہا آکر — مجھکو اکثر رہے ہے دردِ جگر — شـ ۲۵۵

گھر کو لے چل کہ جس کا تھا خطرہ — اب تو وہ مدعی جان نہ رہا — شـ ۲۵۶

کون جانے ہے وہ کدھر کو گیا — مرگیا یا کسی نگر کو گیا — شـ ۲۵۷

اس آخری شعر پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ لڑکی کو اس جوان کے غرق ہو جانے کا اچھی طرح علم تھا، پھر اس کا شک و اشتباہ کے لہجے میں یہ کہنا کہ خدا معلوم وہ کہاں گیا۔ زندہ بھی ہے یا کسی شہر کو چلا گیا، کیا معنی رکھتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ لڑکی نے اپنے تئیں جوان کے انجام سے قصداً انجان بنایا، تاکہ دایہ کو ذرا بھی بدگمانی نہ پیدا ہو سکے،

دایہ اگرچہ بڑی جہاں دیدہ و پختہ کار تھی، تاہم اُس کی معاملہ فہمی وزیرکی، عشق کی نیرنگیوں اور کارسازیوں کا مقابلہ نہ کرسکی، لڑکی کی اس خواہش کو اُس نے بخوشی منظور کرلیا، اور کہا کہ بیشک اب گھر چلنا چاہیے، سب اعزہ کا دل خوش ہوگا، میر صاحب:۔

دایہ بولی کہ اے سراپا ناز — حسن کا تیرے در پہ روئے نیاز

کون مانع ہے گھر کے چلنے کا — سدِّرہ کون ہے نکلنے کا

ہو محافہ میں دل خوشی سے سوار — شادشاداں کر آب سے تو گزار

دل سے اپنے پدر کے غم کم کر — مادرِ مہرباں کو خرّم کر

کر ملاقات ہمدموں سے تو — گرم بازی ہو محرموں سے تو

بحرالمحبت میں بھی یہی مضمون دُہرایا گیا ہے (شن ۲۷۰-۲۷۶) اور عشق کی فریب کاریوں اور سحر طرازیوں کا راگ، سوز و گداز کی لے میں الاپا گیا ہے (شن ۲۷۸-۲۹۴)

غرض روانگی ہوئی، دوپہر کو کشتی وسط دریا میں پہنچی، اس وقت لڑکی ظاہری بھولے پن کے ساتھ دایہ سے دریافت کرتی ہے، کہ ذرا بتانا تو وہ شخص کس مقام پر ڈوبا تھا ؎

حرف زن یوں ہوئی کہ اے دایہ — یاں گرا تھا کہاں وہ کم مایہ
موج سے تھا کدھر کو ہم آغوش — تھا تلاطم سے کس طرف ہم دوش
تجھکو آیا نظر کہاں آکر — پھر جو ڈوبا تو کس جگہ جاکر
مجھکو دیجو نشان اوس جا کا — میں بھی دیکھوں خروش دریا کا

بحرالمحبت میں اس گفتگو کے علاوہ وہ تقریر بھی درج ہے، جو پردہ نشین محبوب نے اس موقع پر زبانِ حال سے اپنے غرق شدہ عاشق سے کی ہے۔ (شن ۳۰۴-۳۱۶) اور یہ اضافہ قدرۃً پُر تاثیر ہے۔

دایہ اس مقام کا نشان دیتی ہے۔ محافہ نشین بلا تامل کود پڑتی ہے اور چشم زدن میں غرق ہو جاتی ہے ؎

سنتے ہی یہ کہاں کہاں کر کر — گر پڑی قصد جان کر کر
موج ہر اک کمند شوق تھی آہ — اس کو برنگ مارِ سیاہ
حسن موجوں میں یوں نظر آوے — نور مہتاب جس سے لہرائے
کشش عشق آخر اس مہ کو — لے گئی کھینچتی ہوئی تہ کو

بحرالمحبت میں اس حکایت کو بہ تغیر الفاظ نقل کر دیا ہے۔ شن ۲۲۱-۲۳۲

ملاحوں اور پیراکوں نے بچانے کی انتہائی کوشش کی، مگر ناکام رہے، نعش تک نہ پا سکے، دایہ سر پٹیتی ہوئی گھر آتی ہے۔ اعزہ حادثہ کی خبر سنتے ہیں، اور سب کے سب ماتم کرتے لب دریا پہنچتے ہیں ؎

کودے غواص و آشنا سارے — تا بہ مقدور دست و پا مارے
کھینچ کے سب ہوئے بیتاب — نہ لگا ہاتھ وہ دُرِ نایاب
سر پٹکتی جو گھر گئی دایہ — آفت اِک لے گئی دایہ
اب و غم مادر و برادر سب — خاک افشاں بر سر و نالہ بہ لب
سوئے دریا رواں ہوئے گریاں — آتشِ غم دل و جگر بریاں

مصحفی کے اوراق میں اس منظر کی بھی مصوری اور زیادہ وضاحت و تاثیر کے ساتھ کی گئی ہے (ش ۳۳۳-۳۳۹)

بالآخر دریا میں جال ڈالے گئے ہیں۔ حبیب و محبوب دونوں کے جسم ایک دوسرے سے ہم آغوش نکلے ہیں، اور یہی اس ٹریجڈی (افسانۂ غم) کا آخری ایکٹ ہے ؎

دام داروں سے سب نے کام لیا — آخر اون کو اسیرِ دام کیا
نکلے باہر و لے موے نکلے — دونوں دست و بغل ہوئے نکلے
ایک کا ہاتھ ایک کی بالیں — ایک کے لب کو ایک سے تسکیں
جو نظر اون کو آن کرتے تھے — ایک قالب گمان کرتے تھے
کیوں نہ دشوار ہووے اون کا فصل — جان دے کر ہوا ہو جس کا وصل

مصحفی کے مرثیہ میں بھی مقطع کا بند یہی ہے ش ۳۴۱-۳۵۱

تصریحات بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ میر و مصحفی دونوں نے ایک ہی بحر میں شناوری کی ہے۔ میر کی افضلیت و اولیت تمام اردو شاعروں

کے مقابلہ میں مسلّم ہے، لیکن اس مخصوص میدان میں جیسا کہ اوپر کئی بار اشارہ کیا جا چکا ہے، مصحفی کا پلّہ جھکتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس کا سبب خواہ یہ ہو، کہ اُن کے سامنے ایک نمونہ پیشتر سے موجود تھا اور نقش ثانی ہمیشہ نقش اول کے مقابلہ میں آسان تر و بہتر ہوتا ہے، خواہ کچھ اور ہو، واقعہ بہرصورت یہ ہے، کہ مصحفی کی مصوّری مقتضائے حال سے قریب تر اور جذبات بشری کے زیادہ مطابق ثابت ہوئی،

با اینہمہ میر پھر میر ہیں، ان کے قلم سے متعدد اشعار اس قدر دل نشین اور ڈھلے ہوئے نکلے ہیں، اور جن میں اِس مخصوص افسانہ سے قطع نظر کر کے عام وارداتِ قلب اِس خوبی سے بیان کیے گئے ہیں کہ بے اختیار زبانوں پر چڑھ گئے ہیں اور فرطِ مقبولیت سے قریب ہے کہ ضرب المثل کے درجہ تک پہنچ جائیں، مثلاً

## تاثیر عشق

عشق ہے تازہ کار تازہ خیال | ہر جگہ اس کی اک نئی ہے چال
دل میں جا کر کہیں تو درد ہوا | کہیں سینہ میں، آہ سرد ہوا

## حسُن کا اثر قلب عاشق پر

تھی نظر یا یہ کہ جی کی آفت تھی | وہ نظر بھی وداع طاقت تھی
ہوش جاتا رہا نگاہ کے ساتھ | صبر رُخصت ہوا اِک آہ کے ساتھ
بیقراری نے کج ادائی کی | تاب و طاقت نے بیوفائی کی
ہاتھ جانے لگا گریباں تک | چاک کے پھیلے پاؤں داماں تک

خو ہوئی نالۂ حزیں کے ساتھ　　رابطہ آہِ آتشیں کے ساتھ

## عشق کی ازلی حرمان نصیبی

کہتے ہیں ڈوبتے اُچھلتے ہیں　　ایسے ڈوبے کوئی نکلتے ہیں
ڈوبے جو یاں کہیں وہ جا نکلے　　غرقِ دریائے عشق کیا نکلے

## حسن و عشق میں مناسبت

یار کو دردِ چشم گر ہوئے　　چشمِ عاشق لہو میں تر ہوئے
چاک دامن ہے واں پئے زینت　　یاں گریباں ہے چاک گل کی صفت
واں دہن تنگ یاں ہے دل تنگی　　حُسن اور عشق میں ہے یک رنگی

مصحفی کے ہاں بھی اِس نوعیت کے اشعار نکل آئیں گے، لیکن نسبتاً کم۔

# مثنوی بحر المحبت

| | | |
|---|---|---|
| لب زخم قلم ذرا وا ہو | تا[1] کہیں تجھ سے نالہ پیدا ہو | ۱ |
| ساتھ کاغذ کے[2] عشق بازی کر | یعنی کچھ داستاں طرازی کر | ۲ |
| کسی خستہ جگر کے حال کو لکھ | کسی سرو رواں کی چال کو لکھ | ۳ |
| ناشکیبی کسی کی دکھلا دے | دلفریبی کسی کی لکھوا دے | ۴ |
| کہیں پیچاک[3] آہ کر تحریر | دے بنا زلف کی کہیں زنجیر | ۵ |
| قصۂ عشق لیلیٰ و مجنوں | گرچہ کچھ اس قدر[4] نہ تھا مضموں[5] | ۶ |

---

[1] تا۔ تاکہ

[2] ساتھ کاغذ کے۔ کاغذ سے،

[3] ق،ن[6] میں اس لفظ کا املا "پتنچاک" تحریر تھا، جس سے مصرعہ موزوں بھی نہیں رہتا، حاشیہ پر نسخہ "بتخال" درج تھا، اس کے بھی کوئی معنی نہیں نکلتے۔ پیچاک کے معنی فارسی میں پیچ و خم، نیز طرۂ زلف کے آئے ہیں، اس لیے قیاس سے یہ لفظ رکھ دیا گیا،

[4] اس قدر۔ ایسا[5] ق۔ن میں "مضمون" ہی تھا۔ ممکن ہے یہ لفظ "موزوں" ہو۔

[6] ق،ن سے مراد وہ قلمی نسخہ ہے، جس کے مطابق یہ مثنوی شائع ہو رہی ہے،

۷ تری طراحیوں[6] سے دور کھنچا[7] کئی اہلِ سخن نے اس کو لکھا
۸ مبتذل عشق کا نہ ہو مضمون عشق موزوں کو پھر بھی[8] کر موزوں
۹ گرچہ ہے کلک میر[9] نادر کار تو بھی ندرت کو[10] اپنی کر اظہار
۱۰ جن مقاموں میں رنگ کم ہے بھرا دے ذرا اور بھی تو حسن ملا
۱۱ سطح کاغذ پہ کھینچ وہ تصویر بس سے حیران رہیں صغیر و کبیر
۱۲ رمز شق القمر جتا دے[11] تو معجزہ اپنا ٹک[12] دکھا دے تو[13]

# آغاز داستان آن جوان

۱۳ ایک جا اک جوان خوش ظاہر[14] تھا نپٹ[15] فن عشق سے ماہر
۱۴ دل پہ صدمے بہت اٹھائے تھے داغ پر داغ اس نے کھائے تھے

---

[6] طراحی۔ بنیاد ڈالنا۔ یہاں غالباً طرحداری کے معنی میں استعمال ہوا ہے،
[7] دور کھنچا۔ دور پہنچا
[8] "بھی" زائد ہے،
[9] ق۔ن میں اس لفظ پر یہ حاشیہ درج ہے: "یعنی میر تقی کہ مثنوی دریائے عشق در ہمیں مضمون گفتہ اند حالا مکرر شدہ" [10] کو۔ کا
[11] رمز جتا دے۔ رمز سمجھا دے،
[12] ٹک۔ ذرا۔ (زبان قدیم)
[13] ق۔ن میں دونوں مصرعوں میں اس لفظ کا املا "توں" درج تھا،
[14] خوش ظاہر، خوش رو، حسین،
[15] نپٹ۔ کامل۔ سخت،

| | | |
|---|---|---|
| اُس کی نظریں چڑھی تھیں[16] لاکھ نگاہ[17] | دیکھیاں تھیں[18] ہزار[19] چشم سیاہ[20] | ۱۵ |
| بہ تقاضائے عشقِ سنجیدہ | لیکن اُس پر بھی تھا وہ نادیدہ[21] | ۱۶ |
| گر کہیں روئے خوش[22] نظر آتا | نوکِ مژگاں تلک[23] جگر آتا | ۱۷ |
| ہو کے ممنونِ ناشکیبیٔ شوق | تھا نظر بازِ دل فریبیٔ شوق | ۱۸ |
| تپشِ دل کو راہ تھی اُس سے | چشم حیرت نگاہ تھی[24] اُس سے | ۱۹ |
| گاہ گلزار کی طرف جاتا | جی کو گل پھول[25] ساتھ بہلاتا | ۲۰ |
| گاہ کرتا نظارۂ در و بام | گاہ تھا کوچہ گردی اس کا کام | ۲۱ |
| اِزدحامِ زناں[26] جہاں ہوتا | آب ہو کر وہاں رواں ہوتا | ۲۲ |

---

[16] اس کی نظریں چڑھی تھیں، اس کی نظروں میں چڑھی تھیں،

[17] لاکھ نگاہ۔ لاکھوں نگاہیں،

[18] دیکھیاں تھیں۔ دیکھے تھیں،

[19] ہزار۔ ہزارہا۔

[20] چشم سیاہ، علامت حسن وجمال ہے،

[21] نادیدہ۔ حریص۔ شعر میں تعقید ہے، لفظ "لیکن" کا تعلق مصرع اولیٰ سے ہے یعنی لیکن بہ تقاضائے عشق سنجیدہ اس پر بھی وہ نادیدہ تھا،

[22] روئے خوش۔ خوبصورت چہرہ حسین شکل،

[23] تلک۔ تک

[24] چشم حیرت نگاہ تھی۔ چشم حیران تھی،

[25] گل پھول ساتھ۔ گل پھول کے ساتھ۔ گل پھول سے۔

[26] ق۔ ن میں بجائے "زناں" کے "زماں"، تھا،

۲۳ کیا کہوں ایک دن وہ خوش پُرکار[27] — کر کے سیرِ چمن بفصلِ بہار
۲۴ گھر کو آتا تھا عشق بازانہ — گل بدستار نوجوانانہ[28]
۲۵ کہ کسی کوچہ مین جو جا نکلا — اُس کے بھی دل کا مدعا نکلا
۲۶ دل تھا اُس کا جو عشق آمادہ — ہو گیا اک جگہ یہ دلدادہ
۲۷ یعنی اک نازنین گُل رُخسار — ہوئی غرفہ مین اُس سے آکے دوچار
۲۸ اس کی آنکھ اُس پہ اسکی اسپہ پڑی — یکبدگر جب بہم نگاہ لڑی
۲۹ جون[29] یہ اس کے سما گئی جی مین — دُون[30] کچھ اُس کے بھی آ گئی جی میں
۳۰ دل نے جب لک[31] کے راہ پیدا کی — لب خامش نے (آہ)[32] پیدا کی
۳۱ حوصلہ خون مژہ سے ہو کے بہا — ضبط پر ضبط کچھ نہ اُس[33] کا رہا
۳۲ آنکھیں بے اختیار بھر آئین — پلکین[34] ندیان سی کچھ (نظر آئین)[35]

---

۲۷ خوش پُرکار، خوبصورت۔ خوش جمال۔ میر تقی میر۔ مثنوی دریائے عشق میں، اپنے حسن پرست ہیرو کے متعلق کہتے ہیں ؎ دیکھتا گر وہ کوئی خوش پُرکار؛ رہتا خمیازہ کش ہی لیل و نہار
کہیں کہیں "پُرکار" ہوشیار و تجربہ کار کے معنی میں بھی آیا ہے۔ سودا کہتے ہیں ؎
اس قدر سادہ و پُرکار کہیں دیکھا ہے؛ بے نمود اتنا نمودار کہیں دیکھا ہے
غالب ؎ سادگی و پُرکاری بیخودی و ہشیاری؛ حسن کو تغافل میں جرأت آزما پایا۔
۲۸ ق۔ن، میں اس کا املا یوں تحریر تھا "نوجوان یانہ"
۲۹ جون۔ جونہیں۔ جیسے ہی، ۳۰ دُون۔ اُسی وقت، ویسے ہی،
۳۱ اضافہ مرتب۔ ق۔ن۔ میں یہ لفظ پڑھا نہیں گیا ۳۲ اضافہ مرتب، ق۔ن میں یہ لفظ غائب تھا
۳۳ ق۔ن میں بجائے "اس" کے "ان" تھا، ۳۴ موجودہ اُردو میں، واحد و جمع دونوں میں یہ لفظ مشدد مستعمل ہے، ندی۔ ندیاں۔ ۳۵ اضافہ مرتب۔ ق۔ن میں، یہ عبارت کرم خوردہ تھی۔

اشک آحائل[36] نظارہ ہوئے — جگر و دل ہزار پارہ ہوئے ۳۳

طائرِ رنگ کر گیا پرواز — ہو گیا صعوہ صیدِ چنگل باز ۳۴

لب کو دنداں کے ساتھ ربط ہوا — لوگ سمجھے کہ اُس کو خبط ہوا ۳۵

دل کے ٹکڑے جگر کے پرکالے — آنکھوں نے اسکے آگے لاڈالے[37] ۳۶

جبکہ مانند تیر خوردہ شکار — وان سے جنبش ہوئی اسے دشوار ۳۷

دیکھ اُسے رفتہ دل بصد انداز — اُٹھی غرفہ سے وہ سراپا ناز ۳۸

پہلے شعلہ سا کچھ بلند ہوا — پھر وہ غرفہ میں دوہین[38] بند ہوا ۳۹

ورقِ غرفہ میں جو تھی تصویر — صاف غائب ہوئی وہ بدرِ منیر ۴۰

جون ہی نظروں سے چھپ گیا وہ ماہ — نظر آیا جوان کو روز سیاہ ۴۱

جان مضطر ہو[39] تن سے جانے لگی — بیخودی ہین غشی سی آنے لگی ۴۲

خشکی دوڑی جگر سے تا بہ زبان — اشک آہی گئے سر مژگان ۴۳

بسکہ[40] حال اُس گھڑی[41] تباہ ہوا — متصل صرف[42] آہ آہ ہوا ۴۴

پاسِ ناموس کا اُٹھا کھٹکا — سر کو اُس آستان پہ دے ٹپکا ۴۵

---

[36] آحائل۔ آکر حائل۔ ق۔ ن میں اس مصرعہ کی کتابت یوں تھی "اشک !! حائل نظارہ ہوئے"

[37] لاڈالے۔ لاکر ڈال دیے۔

[38] دوہین۔ وہیں

[39] ہو۔ ہو کر

[40] بسکہ۔ نہایت درجہ۔ بیحد

[41] اُس گھڑی۔ اُس وقت۔

[42] صرف آہ آہ۔ مصروف آہ آہ

۴۶ شیشۂ دل کو چور چور کیا | پیرہن چاک کر کے دور کیا
۴۷ گئی سو بار سوئے غرفہ نگاہ | پر نہ آئی نظر وہ غیرتِ ماہ
۴۸ تپشِ دل نے بات ہی کھودی | بیقراری نے گھات ہی کھودی
۴۹ جان ہونٹھوں پہ آئی آہ کے ساتھ | لوہو[۴۳] آنے لگا نگاہ کے ساتھ
۵۰ سوزشِ دل دوچند ہونے لگی | سر سے آتش بلند ہونے لگی
۵۱ صبر بھاگا بدیدۂ گریان[۴۴] | ناشکیبی سے بندھ گیا پیمان
۵۲ آہ حسرت کا گھر بنا دلِ زار | گرم پہلو گیا بہ بسترِ خار
۵۳ منھ پہ مل کر کے[۴۵] اس گلی کی خاک | صبح آسا کیا گریبان چاک
۵۴ تب تو تلوائے خاص و عام ہوا | سر پہ اُس کے اک ازدحام ہوا
۵۵ جانکر لوگ اُس کو سودائی | بہ تبسم ہوئے تماشائی
۵۶ جس کا ناگہ[۴۶] ہوا ادھر سے گزار | وہ رہا دیکھ اُس کو حیران وار[۴۷]
۵۷ تھے جو ہم بزم بزمِ ہشیاری | اور جتاتے تھے مرگ تک یاری
۵۸ اُس کی حالت تباہ دیکھ چلے | آئے ٹھہرے کھڑے ہوئے کہ چلے
۵۹ الغرض یونہی گزرے جب کئی ماہ | ہوئی اُس کے بھی دل مین اس کی راہ
۶۰ اس کو بھی اک خیال رہنے لگا | جی ہی جی مین ملال رہنے لگا

---

[۴۳] لوہو۔ لہو۔ خون

[۴۴] بدیدۂ گریان۔ دیدۂ گریاں کے راستہ سے

[۴۵] مل کر کے۔ مَل کر

[۴۶] ناگہ۔ ناگہاں۔ اتفاقاً

[۴۷] حیران وار۔ حیران

صاحبِ خانہ تھا ز بس دکہ[48] غیور — دیکھ کر اُس گلی مین یہ شر و شور ۶۱

مشورت ہر کسی سے کرنے لگا — مارے غیرت کے سخت مرنے لگا[49] ۶۲

خشم گا ہے کہے[50] کہ مار ہی ڈال — جون[51] بنے اِس بلا کو سر سے ٹال ۶۳

لطف گا ہے کہے[52] تساہل کر[53] — دیکھ ہوتا ہے کیا تامل کر ۶۴

قتل عاشق روا نہین ہرگز — یہ کسی نے کیا نہین ہرگز ۶۵

وہ کرے گا تو ہوئے گا بدنام — اپنے مذہب میں جو بُرا ہے کام[54] ۶۶

آخرِ کار تھے جو محرم کار — ایک دن اُن کو جمع کر[55] ایک بار ۶۷

مصلحت جو[56] ہوا کہ کیا کیجے — کچھ مجھے اِس کا مشورہ دیجے ۶۸

کیونکہ[57] سر سے ٹلے یہ رسوائی — تب اُنھون نے یہ بات (ٹھہرائی)[58] ۶۹

---

[48] اضافۂ مرتب۔ ق۔ن میں "دکہ" غائب تھا۔

[49] سخت مرنے لگا۔ سخت غیرت کے مارے مرنے لگا۔ مصرعہ میں تعقید ہے،

[50] کہے۔ کہتا تھا،

[51] جون۔ جس طرح،

[52] کہے۔ کہتا تھا

[53] ق۔ن میں "تامل کر" تھا

[54] ق۔ن میں اس شعر کی کتابت یوں تھی، "وہ کرے گا تو ہوئے گا بدنام؛ اپنے مذہب میں جو بُرا ہے کام"

[55] جمع کر۔ جمع کر کے۔

[56] مصلحت جُو۔ طالب مشورہ

[57] کیونکہ۔ کیونکر۔ کس طرح۔

[58] اضافۂ مُرتب۔ ق ن میں یہ لفظ کرم خوردہ تھا،

۷۰ یعنی اوباش کوچہ و بازار — کچھ نہ کچھ اُس کو دیوین[59] آ[60] آزار

۷۱ اُسپہ گو سیکڑون ستم ہوئین[61] — پر نہ بدنام جس مین ہم ہوئین[62]

۷۲ جب یہ ٹھہری تو کودکان شریر — ساتھ لے کر کے[63] اپنی جمع کثیر

۷۳ یک بیک اس جوان پر دہائے[64] — لڑکے کیا آئے اک بلا لائے

۷۴ سنگساری کسی نے اُس پر کی — خاکباری[65] کسی نے اُس پر کی

۷۵ کوئی اُس سے بقہر پیش آیا — طعنہ زن کوئی[66] تمام نیش آیا[67]

۷۶ کوئی تلوار سے ڈرانے لگا — اُس پر برچھی کوئی اٹھانے لگا

۷۷ ہاتھ کھینچا کسی نے اُس کا بزور — کوئی غصّہ سے آیا بر سرِ شور

۷۸ کوئی بولا کہ یان سے اٹھ جا بے[68] — سانگ لایا ہے تو یہان کیا بے[69]

۷۹ کچھ کسی نے کہا خشونت سے — کوئی بولا جو راہِ شفقت سے

---

[59] دیوین - دیں

[60] آ - آکر

[61] ہوئین - ہوں

[62] ہوئین - ہوں

[63] لے کر کے - لے کر

[64] دہائے - دھاوا کیا - دوڑے (دہانا - دوڑنا -)

[65] ق - ن میں اس کا املا "خاکبازی" تھا

[66] "کوئی" کا تلفظ قدما نظم میں "کئی" کرتے تھے ایسے تلفظ کے ساتھ مصرعہ موزوں ہو سکے گا۔

[67] تمام نیش آیا - ہمہ تن نیش آیا۔

[68] و [69] بے، ابے (مخاطب کے لیے کلمۂ تحقیر)

اس کو دونوں کی کچھ نہ تھی پروا — کہ وہ زنہار آپ ہی میں نہ تھا ۸۰
تھا زخود رفتہ اُس کی یاد کے بیچ[۸۰] — ہو گیا تھا گُم اتحاد کے بیچ[۸۱] ۸۱
گرچہ تھا اُس کے سر پہ حشر بپا — پر نہ دیکھے تھا[۸۲] ٹک[۸۳] وہ سر کو اٹھا ۸۲
پیش چشم اُسکے اُس پری کا خیال — (اور) غمزے کی کافری کا خیال[۸۴] ۸۳
لب خامش سے گفتگو اُس ساتھ[۸۵] — اس خرابہ میں آرزو اُس ساتھ[۸۶] ۸۴
کبھُو[۸۷] پاؤں پر سر کو رکھ دینا — کبھُو[۸۸] چٹ چٹ بلائیں لے لینا ۸۵
کبھُو[۸۹] کہنا کہ میں ترے قربان — آرزو ہے کہ جاوے[۸۰] (میری جان)[۸۱] ۸۶
کبھی[۸۲] کہنا کہ غرفہ میں آ تو — اپنا دیدار پھر بھی[۸۳] دکھلا تو ۸۷
جان آنکھوں میں آئی ہے میری — تو بھی بے اعتنائی ہے تیری ۸۸

---

۸۰ یاد کے بیچ۔ یاد میں

۸۱ اتحاد کے بیچ۔ اتحاد میں

۸۲ دیکھے تھا۔ دیکھتا تھا

۸۳ ٹک۔ ذرا۔

۸۴ اضافۂ مرتب، ق، ن میں "آہ" تھا،

۸۵ و ۸۶ اُس ساتھ۔ اُس کے ساتھ

۸۷ و ۸۸ و ۸۹ کبھو۔ کبھی۔

۸۰ جاوے۔ جائے

۸۱ اضافہ مرتب۔ ق۔ ن میں یہ الفاظ کرم خوردہ تھے،

۸۲ کبھو۔ کبھی

۸۳ "بھی" زائد ہے

۸۹ گھر مین جا بیٹھتے ہین پردہ نشین — پر نہ ایسے کہ پھر نہ نکلین کہین

۹۰ پاس الفت[۸۴] سے راہ رکھتے ہین — بام (رُو)[۸۵] در پر نگاہ رکھتے ہین

۹۱ ہاتھ غرفہ سے گر نکالتے ہین — اس سے افتادہ کو سنبھالتے ہین

۹۲ کبھو[۸۶] کرتے ہیں بن[۸۷] بشکلِ پری — بسرِ صحنِ بام جلوہ گری

۹۳ کبھو[۸۸] روزن پہ رکھ کے چشم سیاہ — دور تک پھینکتے ہیں چشم[۸۹] نگاہ

۹۴ دیکھتے ہین کسی غریب کا حال — اور دکھاتے ہین اُس کو اپنا جمال

۹۵ نہ کوئی آشنا نہ ہمدم ہے — ہے جو ہمدم تو بس تیرا غم ہے

۹۶ ایک تو ہون مین زیست سے بیزار — تسپہ[۹۰] کھینچون ہون[۹۱] سیکڑون آزار

۹۷ کوئی آکر مجھے ستاتا ہے — کوئی تیغ و تبر دکھاتا ہے

۹۸ کوئی آمادۂ ملامت ہے — کوئی نشتر زن شناعت ہے

۹۹ کوئی مجھ سے مکان چھڑاتا ہے — یار کا آستان چھڑاتا ہے

۱۰۰ کوئی کہتا ہے ہے یہ سودائی — یان سے بہتر ہے اسکی (دیہجائی)[۹۲]

---

۸۴ پاس الفت سے۔ بہ سبب پاس اُلفت۔ ق۔ ن میں بجائے "سے" "کے" تھا۔

۸۵ اضافۂ مرتب ۸۶ کبھو۔ کبھی

۸۷ بن۔ بن کر

۸۸ کبھو۔ کبھی

۸۹ یہ لفظ ق۔ ن میں یونہی درج تھا، ممکن ہے "چشم نگاہ" کے بجائے "تیز نگاہ" ہو

۹۰ تسپہ۔ اس پر،

۹۱ کھینچوں ہوں۔ کھینچتا ہوں

۹۲ اضافۂ مرتب۔ ق۔ ن میں یہ لفظ کرم خوردہ تھا بیجائی بمعنی جلا وطنی دعلاحدگی۔

ایک جان اور اضطراب ہے یہ — مجھ پہ دن رات اب عذاب ہے یہ ۱۰۱

تو دہی[۹۳]) بتلا کہ مین کدھر جاؤن — موت آتی نہین کہ مر جاؤن ۱۰۲

ہجر مین بسکہ جی سے تنگ[۹۴] ہون مین — اپنی ہستی کا اب تو ننگ ہون مین ۱۰۳

بام پر آکے ٹک[۹۵] نظارہ کر — سوئے تیغ نگہ اشارہ کر ۱۰۴

کہ مرا کام بس تمام کرے — میرا قصہ ہی انصرام[۹۶] کرے ۱۰۵

کب تلک[۹۷] ان اذیتون کو سہون — کب تلک[۹۸] ان مصیبتون مین رہون ۱۰۶

چاہ کی ہوگئی ہے پردہ دری — رہ نہ پردہ مین تو بھی رشک پری ۱۰۷

کہ نہایت تبہ ہے حال میرا — مجھ سے چھوٹا نہین خیال تیرا ۱۰۸

آہ کب تک جیا کرون غمگین — صبر کرتا پہ کیا کرون کہ نہین[۹۹] ۱۰۹

رات دن اس کا یہ جو ڈھنگ رہا — کچھ نہ پھر پاس نام و ننگ رہا ۱۱۰

کھنچ گئی طول اُس کی رسوائی — پر نہ غرفہ مین وہ پری آئی ۱۱۱

قصۂ مشہور ہو گیا اُس کا — نہ رہا حسن و عشق مین پردہ ۱۱۲

یعنی افشا ہوا[۱۰۰] یہ سینہ فگار — ہے اُسی نازنین کا عاشق زار ۱۱۳

---

[۹۳] اضافۂ مرتب۔ ق۔ن میں بجائے "در ہی" کے "درنے" تھا

[۹۴] اضافۂ مرتب۔ ق۔ن میں یہ لفظ کرم خوردہ تھا۔

[۹۵] ٹک۔ ذرا

[۹۶] انصرام کرے۔ تمام کرے۔ ختم کرے

[۹۷] و [۹۸] تلک۔ تک،

[۹۹] کہ نہیں۔ کہ صبر نہیں۔ مصرعہ میں تعقید ہے۔

[۱۰۰] افشا ہوا۔ افشا ہوا کہ

۱۱۴ نت[101] سوئے غرفہ ہے نگاہ اُس کی ‏ ‏ ‏ برق سی (کوندتی[102]) ہے آہ اسکی

۱۱۵ مُنھ نہین موڑتا جفاؤن سے ‏ ‏ ‏ ربط ہے اسکو دل کی چاہون سے

۱۱۶ وارث اس نازنین کے دیکھ[103] یہ حال ‏ ‏ ‏ لائے سو سو طرح سے دل مین خیال[104]

۱۱۷ جب نہ بن آئی اور کچھ تدبیر ‏ ‏ ‏ یہی سوچی کہ اب بلا تاخیر

۱۱۸ یان سے لے جاکے اِس صنم کے تئین[105] ‏ ‏ ‏ چندے پوشیدہ رکھین اور کہین

۱۱۹ طور پر اپنے وان یہ زیست کرے[106] ‏ ‏ ‏ پھر یہ دلدادہ یان جئے کہ مرے

۱۲۰ پار دریا کے اک ٹھکانا[107] تھا ‏ ‏ ‏ اُن کا کوئی وہان یگانا تھا

۱۲۱ ان سے اور اُن سے تھی شناسائی ‏ ‏ ‏ دوستی یکدلی و یک جائی

۱۲۲ اعتماد یگانگت بھی تھا ‏ ‏ ‏ اِتّحادِ موانست بھی تھا

۱۲۳ شاہدِ مہر جب ہوا روپوش ‏ ‏ ‏ اور شب آئی ہو[108] گلیم بدوش

۱۲۴ اک محافہ میں کر[109] سوار اُسے ‏ ‏ ‏ ساتھ دایہ کے بھیجا پار اُسے

---

۱۰۱ نت۔ ہمیشہ

۱۰۲ اضافۂ مُرتب۔ ق۔ن میں بجائے "کوندتی" کے "کودتی" تھا۔

۱۰۳ دیکھ۔ دیکھ کر

۱۰۴ لائے سو سو طرح سے دل میں خیال۔ سو سو طرح کے خیال کرنے لگے۔ سو سو طرح کی تدبیریں سوچنے لگے۔ ۱۰۵ صنم کے تئیں۔ صنم

۱۰۶ زیست کرے۔ زندگی بسر کرے

۱۰۷ ٹھکانا۔ مقام

۱۰۸ ہو۔ ہو کر

۱۰۹ کر۔ کر کے

کہہ دیا یوں کہ یاں یہ رشکِ بہار — اِن دنوں رات دن رہے[۱۱۰] تھی زار ۱۲۵

خود بخود اُس کے دل پہ غم تھا کچھ — بے جہت[۱۱۱] متصل الم تھا کچھ ۱۲۶

دِن کو بستر پہ زار رہتی تھی — شب کو اختر شمار رہتی تھی ۱۲۷

خواب اور خور میں آگیا تھا قصور — اس کو تبدیل تھا مکان ضرور[۱۱۲] ۱۲۸

اِس لیے ہم نے اُس کو واں بھیجا — کہ بیابان کی راس آئے ہوا ۱۲۹

مثلِ گل وا ہو اُس کا غنچۂ دل — ٹلے چھاتی سے اُس کے غم کی سِل ۱۳۰

لُطف اُٹھاوے[۱۱۳] ہوائے صحرا کا — دیکھے واشد حباب دریا کا ۱۳۱

کر[۱۱۴] محافہ میں اُس پری کو سوار — لے چلی جب وہ دایۂ مکّار ۱۳۲

جوں ہی باہر وہ رہ گزر سے ہوا — گزر اُس کا جوان کے سر سے ہوا ۱۳۳

بوئے اُنس اُس کو اس سے آہی گئی — اُس کی آنکھ اُس کی گھات پا ہی گئی ۱۳۴

دل میں اُس کے قلق نے جوش کیا — سر پہ بے صبری نے خروش[۱۱۵] کیا ۱۳۵

واں سے پائے ثبات اکھڑنے لگا — متصل سر پہ ہاتھ پڑنے لگا ۱۳۶

عشق کہتا دیکھا[۱۱۶]، تو نہ ٹل یاں سے — جذب کہتا دیکھا[۱۱۷]، چل نکل یاں سے ۱۳۷

---

۱۱۰ رہے تھی۔ رہتی تھی۔

۱۱۱ بے جہت۔ بے سبب۔ خود بخود

۱۱۲ اس کے لیے تبدیلیِ مکان ضروری تھی،

۱۱۳ اٹھاوے۔ اُٹھائے، ۱۱۴ کر۔ کر کے،

۱۱۵ موجودہ اُردو نثر میں "خروش" تنہا نہیں آتا۔ "جوش" کے ساتھ استعمال ہوتا ہے۔

۱۱۶ و ۱۱۷ ق۔ن میں دونوں جگہ بجائے "تھا" کے "تھے" تھا،

۱۳۸ سچ ہے وہ جو غلام اُلفت ہے — کشف اُس کا مقام اُلفت ہے
۱۳۹ دلِ آگہ نے دی یہ اُس کو خبر — کہ محافہ مین ہے وہ رشکِ قمر
۱۴۰ اب ترا اس گلی میں کام ہے کیا — تو بھی ہمراہ ہو برنگِ صبا
۱۴۱ جس طرف جاوے[118] وہ اُدھر جا تو — دیکھ نادان فریب مت کھا تو
۱۴۲ یہ سمجھ[119] جب وہ اُس کے سات ہوا[120] — موردِ چشم والتفات[121] ہوا
۱۴۳ دل مین وحشت کہ کیا کہے کوئی — جی پر آفت کہ چشم خون روئی
۱۴۴ ساتھ اس کے یہ دردمند اسیر[122] — کششِ دل کی پاؤن مین زنجیر
۱۴۵ دایہ وحشت سے پیش و پس نگران — پیچھے دایہ کے قطرہ زن[123] یہ جوان
۱۴۶ سر بزانو محافہ میں وہ پری — جون[124] قفس مین ہو کوئی کبک دری
۱۴۷ دل مین گھر چھوٹنے کا اس کو ملال — اور رسوائیون کا اپنی خیال
۱۴۸ کہ یہ کیا افترا بندھا مجھ پر — زہر کھا[125] کون مر گیا مجھ پر
۱۴۹ میری آنکھون نے کس کو خویش کیا[126] — میری پلکون نے کس کو ریش[127] کیا

---

۱۱۸ جاوے۔ جائے
۱۱۹ یہ سمجھ۔ یہ سمجھ کر۔
۱۲۰ سات ہوا۔ ساتھ ہوا۔
۱۲۱ اضافۂ مرتب۔ ق۔ن میں "وخشم والتفات" تھا
۱۲۲ اضافۂ مرتب۔ ق۔ن میں یہ لفظ کرم خوردہ تھا،
۱۲۳ قطرہ زن۔ ق۔م زن۔ گرم رفتار۔
۱۲۴ جون۔ جیسے ۱۲۵ کھا۔ کھا کر
۱۲۶ خویش کیا۔ اپنا لیا ۱۲۷ ریش کیا۔ زخمی کیا۔

کس پہ خواہش سے کی نظر مین نے | چھوڑا کس کے سبب سے گھر مین نے ۱۵۰
کس سے مین آہ ہم کلام ہوئی | کس سے نظارہ باز بام ہوئی ۱۵۱
کس سے مین نے کیا پیام وسلام | کس کی الفت سے مین ہوئی بدنام ۱۵۲
کس سے غرفہ دشتے[128] مین لڑائی[129] آنکھ | کس کو روزن سے مین دکھائی[130] آنکھ ۱۵۳
چاک پردہ سے مین نے جھانکا کب | میری ویرانی کا ہے کچھ بھی سبب ۱۵۴
یہ عجب خانمان خرابی ہے | کہ نکلنا یا مین شتابی ہے ۱۵۵
اسی صورت جوان غمدیدہ | بخیالِ محال پیچیدہ ۱۵۶
چشم درراہ[131] کز[132] برائے خدا | دے محافہ کا پردہ باد اٹھا ۱۵۷
دیکھے تا روئے[133] ماہ پردہ نشین | جس کی خاطر نہ لیتین یہ سہین ۱۵۸
کھول دے گو نہ اس کا منھ سارا | اک جھلک کا تو ہوئے[134] نظارہ ۱۵۹
تھا محافہ وہ ڈوریون سے کسا | اُس مین دشوار تھا گزارِ صبا ۱۶۰
نہ رہی جبکہ اُس مین طاقتِ صبر[135] | جیب پھاڑا ابمرگِ رخصتِ صبر[136] ۱۶۱

---

[128] اضافۂ مرتب

[129] مین لڑائی۔ میں نے لڑائی۔

[130] مین دکھائی۔ میں نے دکھائی۔

[131] چشم درراہ۔ منتظر

[132] کز۔ کہ از [133] تا۔ تاکہ

[134] ہوئے۔ ہو

[135] ق۔ ن میں یہ مصرعہ یوں تھا "نہ رہا جبکہ اس مین طاقت و صبر"

[136] مصرع کا مطلب نہ دریافت ہو سکا، ق، ن کے مطابق نقل کر دیا گیا۔

۱۶۲ کر کے نالہ بطرح[۱۳۷] سوز و گداز — یون قرین محافہ دی آواز
۱۶۳ کای[۱۳۸] پری چہرہ اتنی روپوشی — دجی[۱۳۹] اسے گزرا مین ہائے خاموشی
۱۶۴ نہ تو آواز ہی سُنائی ہے — نہ تری بو ہی مجھ تک آتی ہے
۱۶۵ ہے گھٹا ٹوپ یا محافہ یہ[۱۴۰] — ٹک[۱۴۱] تو پردہ اٹھا دے غیرت مہ
۱۶۶ کہ بھلا اک جھلک تو مین دیکھون — تیری نتھ کی ڈھلک تو مین دیکھون
۱۶۷ خوبرو کرتے ہین تغافل سب — پر نہ اتنا کہ ہوئے[۱۴۲] محض غضب
۱۶۸ داغ ہے انتظار آنکھون مین — خون ہے جاے یار آنکھون مین
۱۶۹ تجھکو اپنی ستم گری کی قسم — تجھکو غمزے کی کافری کی قسم
۱۷۰ قسم اپنی تجھے تغافل کی — قسم اپنی تجھے تجاہل کی
۱۷۱ حرف زن[۱۴۳] اپنی دردمندی ہو — گرم اے آتش سپندسی ہو
۱۷۲ سُن کے دایہ یہ اُس کے طرز کلام — ہو[۱۴۴] مخاطب بالتفات تمام

---

۱۳۷ لفظ "طرح" زائد ہے،

۱۳۸ کای۔ کہ اے

۱۳۹ اضافہ مرتب۔ ق۔ ن میں "اس" تھا،

۱۴۰ "یہ" کا صحیح تلفظ بہ کسر یا ہے، اس صورت میں مہ (بہ فتح میم) کا قافیہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس مصرع میں یَہ (یائے مفتوح کے ساتھ) پڑھنا چاہیے۔

۱۴۱ ٹک۔ ذرا

۱۴۲ ہوئے۔ ہو

۱۴۳ حرف زن۔ ہم کلام۔ ہم سخن

۱۴۴ ہو۔ ہو کر

پاس اُس کو بُلا کے آہستہ ۔۔۔ یوں لگی کہنے کا[۱۴۵] ای جگر خستہ ۱۷۳
پاس کو دے جواب گھر جاوے[۱۴۶] ۔۔۔ درد حرمان سے کہہ کہ مر جاوے[۱۴۷] ۱۷۴
آہ (و)[۱۴۸] نالہ سے کہہ کہ رخصت ہوں ۔۔۔ گرم رفتار راہ فرقت[۱۴۹] ہوں ۱۷۵
کیونکہ نزدیک ہے زمان وصال ۔۔۔ ہجر تھا جو ہوا وہ خواب خیال ۱۷۶
اب کوئی[۱۵۰] دم کو ہم وثاقی[۱۵۱] ہے ۔۔۔ دیر منزل تلک[۱۵۲] کی باقی ہے ۱۷۷
جبکہ منزل پدید ہوئے گی[۱۵۳] ۔۔۔ شب تری روز عید ہوئے[۱۵۴] گی ۱۷۸
آ بس اب درد و غم کو جانے دے ۔۔۔ دور دور اس صنم کو جانے دے ۱۷۹
شب کو مل ہی رہے گا تو اُس سے ۔۔۔ اب کنارہ ہی خوب ہے اُس سے ۱۸۰
کیونکہ ہے اس میں ہم بدنامی ۔۔۔ تو چلا چل ابھی بنا کامی ۱۸۱
اک ذرا اب تو دل کو ڈھارس دے ۔۔۔ چل کے منزل پہ جام عشرت دے[۱۵۵] ۱۸۲
تیرے آنے سے یہ صنم ہوئی شاد ۔۔۔ کیونکہ ملنا ترا تھا اُس کی مُراد ۱۸۳

---

[۱۴۵] کا ے ۔ کہ اے ،
[۱۴۶] و [۱۴۷] جاوے ۔ جائے
[۱۴۸] اضافۂ مُرتب ۔
[۱۴۹] ق ۔ ن میں ”فرصت“ ۔ تھا
[۱۵۰] کوئی دم کو ۔ کوئی دم میں ،
[۱۵۱] ہم وثاقی ۔ وصل
[۱۵۲] تلک ۔ تک
[۱۵۳] و [۱۵۴] ہوئیگی ۔ ہوگی
[۱۵۵] ق ۔ ن ۔ میں ”دیے“ تھا

| | | |
|---|---|---|
| ۱۸۴ | جی سے چاہے تھی[۱۵۶] ہمرہی تیری | اس کو رستہ مین یاد تھی تیری |
| ۱۸۵ | بارے[۱۵۷] اس کے بھی دل کی داد ملی | حق سے مانگی تھی جو مراد ملی |
| ۱۸۶ | پیچھے پیچھے تو کیا بجا آیا[۱۵۸] | مثل سایہ (جویان)[۱۵۹] لگا آیا |
| ۱۸۷ | غرض اُس کو لگا کے باتون مین | ہوئی (دہ)[۱۶۰] دشمنی کی گھاتون مین |
| ۱۸۸ | جی مین ٹھانی کہ کچھ دغا کیجیے | سر سے اِس بد بلا کو وا کیجیے[۱۶۱] |
| ۱۸۹ | کیجیے رستہ ہی مین کام[۱۶۲] اُس کا | گو کہ ہے وعدہ تا بہ شام اُس کا |
| ۱۹۰ | غافل از کار یہ ستم دیدہ | تھا جو باتون مین اس کی گرویدہ |
| ۱۹۱ | اس کو ہرگز بہ اشتیاقِ وصال | نہ رہا کچھ فریب زن کا خیال |
| ۱۹۲ | الحذر مکر (و)[۱۶۳] حیلۂ زن سے | خاصہ مکار اور پُر فن سے |
| ۱۹۳ | ہین جو دلال پیشگان بتر | بازی کھاتا ہے[۱۶۴] ان سے چرخ ابتر[۱۶۵] |
| ۱۹۴ | زور رستم نہ چل سکے جن پر | خاکسارون کی کیا چلے اِن پر |

---

۱۵۶ چاہے تھی۔ چاہتی تھی، ۱۵۷ بارے خیر

۱۵۸ بجا آیا۔ دُرست آیا۔ بیشک آیا۔

۱۵۹ ق۔ن میں "خوان" تھا

۱۶۰ اضافۂ مرتب

۱۶۱ وا کیجیے۔ رد کیجیے۔ دور کیجیے،

۱۶۲ کام کیجیے۔ کام تمام کیجیے،

۱۶۳ اضافہ مُرتب،

۱۶۴ بازی کھاتا ہے۔ شکست کھاتا ہے،

۱۶۵ شعر ق۔ن کے مطابق نقل کر دیا گیا۔ ممکن ہے پہلے مصرعہ میں "پیر" ہو اور دوسرے مصرعہ میں "چرخ اثیر"۔ (اثیر بمعنی برگزیدہ)

| | | |
|---|---|---|
| اسی مذکور پر تھا سب کو گوش[۱۶۶] | کہ ہوا سامنے سے بحر کا جوش | ۱۹۵ |
| آئی رخشندگیٔ آب نظر | عرصہ خشکی کا رہ گیا کمتر | ۱۹۶ |
| حاملانِ محافہ یعنے (کہار)[۱۶۷] | یون چلے جلد چون نسیم بہار | ۱۹۷ |
| رکھ کے چالاکی طبع (دگو)[۱۶۸] دل پر | لا رکھا اُس کو گرم[۱۶۹] ساحل پر | ۱۹۸ |
| ساتھ دایہ کے وہ جوان نزار | جس طرح قافلہ کے پیچھے غبار | ۱۹۹ |
| تھا جہان بحر پر محافہ دھرا | قطع رہ کر کے وان ہی[۱۷۰] آ پہونچا | ۲۰۰ |
| بحر کیسا کہ اژدہاے سیاہ | جس کی صورت سے خوف کھائے نگاہ | ۲۰۱ |
| قطرہ اُس کا ہر ایک طوفان خیز | موج بحرِ بلا کی لنگر ریز | ۲۰۲ |
| شکل ساحل وہان در زندہ نہنگ | عرصہ لطموں سے ہر حباب پہ تنگ | ۲۰۳ |
| شورِ محشر سے شور آب قرین | صورت اُس کی تمام چین بہ جبین | ۲۰۴ |
| صفِ ماہی وہ بر سر طغیان | ہر جگہ اُس میں چار موج عیان | ۲۰۵ |
| اُس مین تیرے[۱۷۱] (تھا)[۱۷۲] نت[۱۷۳] بہ بیتابی | نسر[۱۷۴] طائرِ[۱۷۵] بسانِ مرغابی | ۲۰۶ |

---

۱۶۶ سب کو گوش تھا، سب سُن رہے تھے۔ سب اسی گفتگو میں تھے،

۱۶۷ ق، ن، میں۔ تہار درج تھا،

۱۶۸ ق، ن، میں "دا ور" درج تھا ۱۶۹ گرم۔ جلد (بہ محاورۂ فارسی)

۱۷۰ واں ہی۔ وہیں ۱۷۱ تیرے تھا۔ تیرتا تھا،

۱۷۲ اضافۂ مُرتب،

۱۷۳ نت۔ ہمیشہ،

۱۷۴ ق۔ ن میں اس کا املا "ونسر" تھا،

۱۷۵ نسرِ طائر۔ عقاب آسمانی۔ ستارۂ مشہور

۲۰۷ غوطہ زن تھی (بجرِ رومد)[۱۷۶] شلنگ — بطنِ چرخ اُس میں صورتِ خرچنگ[۱۷۷]

۲۰۸ سونش[۱۷۸] و گھڑیال اُس مین دُوش بدوش — سر بسر اضطراب و حملہ خروش

۲۰۹ دامنِ محشر اُس کا آدھا پاٹ — کر قیاس اس سے اُس کا سارا پاٹ

۲۱۰ شکل دستِ دعا ہر ایک صدف — سر چھپائے ہوئے، سیر مین کشف[۱۷۹]

۲۱۱ لطمہ ساحل پہ تیغ زن ہر بار — موجِ آب اس کی افعیِ خونخوار

۲۱۲ چاہ زندان تھا اس کا ہر گرداب — جس مین ڈوبے تھے کتنے خانہ خراب

۲۱۳ دیکھ[۱۸۰] اُن کو عبور کا[۱۸۱] مائل — کشتی اک آلگی تہِ ساحل[۱۸۲]

۲۱۴ پیش و پس اسپہ سب سوار ہوئے — سب سے آگے محافہ دار ہوئے

۲۱۵ دایہ کشتی مین دیدہ باز حباب — اور محافہ مین وہ پری بیتاب

۲۱۶ شورِ دریا سے اس کے دل مین بیم — غنچہ جیسے صدف مین دُرِّ یتیم

۲۱۷ دور تر وہ جوان دلدادہ — جیسے تصویرِ ششدر استادہ

۲۱۸ دایہ مصروف سیرِ آب روان — ہم[۱۸۳] (شگافون سے)[۱۸۴] وہ پری نگران

---

۱۷۶ ق۔ن میں اس کا املا "بجذ رد ید" تھا،

۱۷۷ خرچنگ۔ برُج سرطان۔ کیکڑا۔ گھونگھا۔ شلنگ۔ برجستن۔ شعر کا مطلب واضح نہیں ہوتا ق ن کے مطابق نقل کر دیا گیا،

۱۷۸ موجودہ اُردو میں دو ہندی الفاظ کے درمیان عطف بجائے "و" کے "اور" لاتے ہیں، قدما کے ہاں "و" جائز تھا،

۱۷۹ کشف۔ کچھوا۔ ق۔ن میں مصرعہ کی کتابت یوں تھی "سر چھپائے ہو سیر میں کشف"،

۱۸۰ دیکھ۔ دیکھکر، ۱۸۱ موجودہ محاورہ میں بجائے "کا" کے "پر" صحیح ہوگا۔

۱۸۲ تہِ ساحل۔ لبِ ساحل ۱۸۳ ہم۔ نیز۔ بھی ۱۸۴ اضافۂ مرتب۔ ق۔ن میں یہ مقام کرم خوردہ تھا،

| | | |
|---|---|---|
| پہونچی کشتی جو بیچ مین اک بار | ہوئی سرگرم حیلہ وہ غدّار | ۲۱۹ |
| امتحاناً بروے سطحِ آب | یعنی کفش اُس پری کی پرتاب[۱۸۵] | ۲۲۰ |
| تھا جو منظور اس کو جان لینا | پھر کہا یہ کہ دہان میان لینا[۱۸۶]) | ۲۲۱ |
| ہاتھ اس کے سے کی جو کفش نے جست[۱۸۷] | لیا موجون نے اُس کو دست بدست | ۲۲۲ |
| ہوئی جا کر بزیرِ آب روان | خاتمِ دست پنجۂ مرجان[۱۸۸] | ۲۲۳ |
| قعرِ دریا مین جبکہ جا پہونچی | سیپ کے سر یہ پشت پا پہونچی | ۲۲۴ |
| ہو کے وہ کفش تاجِ فرقِ حباب | ہو گئی پل میں گوہرِ نایاب | ۲۲۵ |
| تھا جوان بسکہ سخت دلدادہ | ہو کے ناگہ[۱۸۹] بمرگ آمادہ | ۲۲۶ |
| کفش پر کر[۱۹۰] دراز اپنا ہاتھ | آشنایانہ کو دا ہان کے ساتھ | ۲۲۷ |
| کودتے ہی چلا گیا تہ کو | طے کیا عمق[۱۹۱] آب کی رہ کو | ۲۲۸ |
| کفش کے ساتھ ہی گیا تہِ آب | ہوا غوّاص گوہرِ نایاب | ۲۲۹ |
| گوہرِ جان نثار کفش کیا | نہ ذرا انتظارِ کفش کیا | ۲۳۰ |

---

۱۸۵ کی پرتاب۔ دور پھینکی۔

۱۸۶ اضافۂ مرتب۔ ق۔ ن۔ میں یہ مقام کرم خوردہ تھا،

۱۸۷ "ہاتھ اُس کے۔ سے کی" اس قسم کی ترکیب متقدمین کے ہاں نظم میں جائز تھی، موجودہ زبان میں "ہاتھ سے اُس کے کی" نظم کیا جائے گا،

۱۸۸ مطلب یہ ہے کہ کفش پنجۂ مرجان میں (جو تہِ دریا میں پایا جاتا ہے)، اس طرح جا اٹکی، جیسے ہاتھ میں انگوٹھی اٹک جاتی ہے

۱۸۹ ناگہ۔ دفعتہً ۱۹۰ پر کر۔ کر کر کے

۱۹۱ عمق، یہاں بہ سکون قاف استعمال ہوا ہے، صحیح تلفظ عُمُق بہ ضمتین ہے،

۲۳۱ کفش ساتھ اپنے اس کو لے ڈوبی — نہ غلط بلکہ پا کے محبوبی[192]

۲۳۲ نہ وہ اُچھلا[193] نہ کفش ہی اُچھلی[194] — عقل حیران کار اس کی ہوئی

۲۳۳ کودے ہر چند غوطہ خور بھی وان — نہ ملا آب سے[195] کچھ اُس کا نشان

۲۳۴ جان لینے پہ عشق (کا)[196] ہے مدار — یہی شیوہ ہے اُس کا آخر کار

۲۳۵ (کون عاشق)[197] ہوا کہ مر نہ گیا — کس کا چاہت کی بیچ[198] گھر نہ گیا

۲۳۶ کر سکے کون عاشقون کا شمار — اِس کے ہاتھون موئے پڑے ہین[199] ہزار[200]

۲۳۷ قیس سے اِس نے دُون[201] سلوک کیا — خون وُون[202] کوہکن کا جا کے لیا[203]

۲۳۸ کس کی طاقت کہ ہو بغور[204] نگاہ — اُس کے طرز فریب (سے آگاہ)[205]

---

۱۹۲ مصرعۂ اولی کی تردید ہے یعنی نہیں کہ کفش اس کو لے ڈوبی بلکہ پیر کی محبوبی نے اسے ڈبویا،

۱۹۳ اُچھلا۔ اُبھرا، ۱۹۴ اُچھلی۔ اُبھری

۱۹۵ آب سے۔ آب میں،

۱۹۶ اضافۂ مرتب ق۔ ن میں "کو" تھا،

۱۹۷ اضافۂ مرتب ق۔ن میں یہ الفاظ کرم خوردہ تھے،

۱۹۸ چاہت کے بیچ۔ چاہت کے باعث، چاہت سے،

۱۹۹ موئے پڑے ہین، مر چکے ہیں۔

۲۰۰ ہزار۔ ہزارہا اشخاص۔

۲۰۱ دُون۔ یوں

۲۰۲ وون۔ اُس طرح۔ دوسری طرح،

۲۰۳ خون لیا، خون کیا (موجودہ محاورہ "جان لینا ہے" "خون لینا"، نہیں خون کرنا آتا ہے)،

۲۰۴ ق۔ن میں یہ لفظ "بہ خور" اور "بہ غور" دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے،

۲۰۵ اضافۂ مرتب،

| | | |
|---|---|---|
| کر چکی دایہ جب کہ اس کا کام[206] | پر[207] مشوّش ہوئی وہ ماہِ تمام | ۲۳۹ |
| خاطرِ دایہ گرچہ جمع ہوئی | پانی[208] پانی وہ رشک شمع ہوئی | ۲۴۰ |
| لیک تھا اختیار دایہ زبس[209] | اُس کو سوجھی نہ غیر ضبط نفس | ۲۴۱ |
| وانسے کشتی روان ہوئی فی الفور | کہ کہین کچھ بلا نہ آوے[210] اور | ۲۴۲ |
| لے گئی اس صنم کو پار شتاب | رہی وحشت مین اس کی چشم حباب | ۲۴۳ |
| لہرین خمیازہ کھینچ کھینچ موئین[211] | مچھلیان غم سے ہمکنار ہوئین | ۲۴۴ |
| آب نے دل ہی دل مین کھایا جوش | لبِ ساحل بھی رہ گیا خاموش | ۲۴۵ |
| گرچہ وہ حیلہ گر ہوئی خرّم | کِشتی والون کو تھا پر اُس کا غم | ۲۴۶ |
| یہ نہ سمجھی کہ عشق خانہ خراب | جمع کرتا ہے وصل کا اسباب[212] | ۲۴۷ |
| اسی صورت سے وہ بھی منھ کو چھپائے | اس پری کو بھی زیرِ آب بلائے | ۲۴۸ |
| دے کے رجعت میں جام مدہوشی | دیوے[213] دیہر رخصت ہم آغوشی[214] | ۲۴۹ |

---

۲۰۶ کر چکی کام۔ کام تمام کر چکی،

۲۰۷ پر۔ لیکن (ایک دوست کی رائے ہے کہ یہ لفظ پھر ہے)

۲۰۸ پانی پانی ہوئی/ سخت غمگین ہوئی (موجودہ زبان میں پانی پانی ہونے کا محاورہ شرم و ندامت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے)

۲۰۹ زبس۔ چونکہ،

۲۱۰ آوے۔ آئے

۲۱۱ موئین۔ فنا ہوگئیں۔

۲۱۲ وصل کا اسباب۔ وصل کے اسباب، ۲۱۳ دیوے۔ دے

۲۱۴ اضافہ مرتب، ق۔ ن میں یہ ساری عبارت کرم خوردہ تھی،

۲۵۰ طرح[۲۱۵] ہو زیر آب صحبت وصل | یوں میسر ہوا ان کو خلوت وصل
۲۵۱ یہ تمائل کرے (دو[۲۱۶]) دست اس کی | چومی[۲۱۷] وہ لعل می پرست اُس کی
۲۵۲ لب سے لب کامیاب ہوتے آب | دوستی کا حساب ہوتے آب
۲۵۳ اُس کی محنت کشی کی دیوئے[۲۱۸] داد | اُس کی خود کامیوں سے ہوئے[۲۱۹] شاد
۲۵۴ ہو کے روپوش وہ جو غیرت ماہ | رہی یکچند[۲۲۰] وان بحال تباہ
۲۵۵ ایک دن دایہ سے کہا آکر | مجھ کو اکثر رہے ہے[۲۲۱] درد جگر
۲۵۶ یہ مکان بھی نہ سازوار[۲۲۲] ہوا | دل مرا یان بھی بے قرار ہوا
۲۵۷ گھر کو لے چل کہ جس کا تھا خطرہ | اب تو وہ مدعیٔ جان نہ رہا
۲۵۸ ساری اس کے سبب سے تھی آفت | وہ نہیں اب تو کیا ہے پھر تہمت
۲۵۹ کوئی اب اُس کا دادخواہ نہیں | اُس کی باتیں اُسی کے ساتھ رہیں[۲۲۳]
۲۶۰ کون جانے ہے[۲۲۴] وہ کدھر کو گیا | مرگیا یا کسی نگر[۲۲۵] کو گیا

---

۲۱۵ طرح ہو، بنیاد پڑے، میسر ہو،

۲۱۶ اضافۂ مرتبۂ ق۔ ن میں "وہ" تھا

۲۱۷ ق، ن میں اس کا املا "چومین" تھا

۲۱۸ دیوے۔ دے

۲۱۹ ہوئے۔ ہو ۲۲۰ یکچند۔ کچھ روز

۲۲۱ رہے۔ رہتا ہے

۲۲۲ سازوار۔ سازگار۔ موافق مزاج۔

۲۲۳ ساتھ رہیں۔ ساتھ گئیں۔

۲۲۴ کون جانے ہے۔ کون جانتا ہے۔ کوئی نہیں جانتا۔ ۲۲۵ نگر۔ شہر

اُس سے اب جی میں تو نہ لا وسواس | طبع نازک کا میری پر رکھ پاس ۲۶۱

کیونکہ اب دل پہ اک اذیت ہے | درد ہے رنج ہے مصیبت ہے ۲۶۲

(دیکھوں[226] ہے دل) میرا یاں نہیں لگتا | وہی وحشت ہے اور وہی سودا ۲۶۳

ہے سراسیمگی وہی دُنبال[227] | ہے (رہ[228]) زیست میرے جی کا وبال ۲۶۴

پاؤں کہتے ہیں راہِ صحرا لے | ہاتھ کہتے ہیں جیب کو آ لے ۲۶۵

بے کلی ہے مدام میرے تئیں[229] | کچھ ہوا[230] صبح و شام میرے تئیں[231] ۲۶۶

سر پہ کوہِ گراں غم سا[232] ہے | پہلوے دل میں کچھ الم سا ہے ۲۶۷

پر نہیں ہیں کہ اُڑ کے گھر جاؤں | جی رُکا آتا ہے[233] کدھر جاؤں ۲۶۸

کچھ تو تدبیر میری کر تو شتاب | بیٹھی جاتی ہوں ورنہ مثل حباب ۲۶۹

سفر دور کا ہے قاصد جاں[234] | تیرے صدقہ یہ (میرا[235]) کہنا مان ۲۷۰

---

۲۲۶ اضافۂ مرتب۔ ق۔ن میں یہ عبارت کرم خوردہ تھی،

۲۲۷ دنبال۔ درپے،

۲۲۸ ق۔ن میں "وہ" تھا،

۲۲۹ میرے تئیں۔ مجھ کو،

۲۳۰ کچھ ہوا۔ کچھ ہوا چاہتا ہے

۲۳۱ میرے تئیں۔ مجھ کو

۲۳۲ "سا" زائد ہے۔

۲۳۳ جی رُکا آتا ہے۔ دل گھُٹ کر رہتا ہے،

۲۳۴ مصرعہ کا مطلب واضح نہیں ہوا، ق۔ن کے مطابق نقل کر دیا گیا،

۲۳۵ اضافۂ مرتب، ق۔ن میں "میرہی" تھا،

| | |
|---|---|
| ۲۷۱ سُن کے دایہ نے یون کہا طنّاز | ناز پر تیرے صدقہ اہلِ نیاز |
| ۲۷۲ ہون مین آمادۂ تہیّہ[۲۳۶] کار | اتنی کرتی ہے مجھ سے کیون تکرار |
| ۲۷۳ سَچ[۲۳۷] ہے اب تو مٹی وہ بدنامی | اور دسرآیا زمانِ[۲۳۸]) ناکامی |
| ۲۷۴ دل کو خوش رکھ کنارہ کر غم سے | اب ملایا تجھے اُبْ وغم سے |
| ۲۷۵ پوچھنے جوتکی[۲۳۹] سے جاتی ہون | تیری خاطر[۲۴۰] محافہ لاتی ہون |
| ۲۷۶ ملیو[۲۴۱] تو شادمان سے پری | کیجیو[۲۴۲] ہمدمون (مین جلوہ گری)[۲۴۳] |
| ۲۷۷ یان تو مضمون دایہ تھا کچھ اور | عشق کا وان کنایہ تھا کچھ اور |
| ۲۷۸ عشق سے عقل کب بسر[۲۴۴] آوے[۲۴۵] | (زورٹنک[۲۴۶]) اس کا کیا نظر آوے[۲۴۷] |
| ۲۷۹ کون سمجھے[۲۴۸] ہے اس کی باتکو ہائے | کون سمجھے[۲۴۹] ہے اس کی گھاتکو ہائے |

---

۲۳۶ ق۔ن میں اس کا اِملا ''تحیہ'' تھا، ۲۳۷ ق۔ن میں اس کا اِملا ''سچھ'' تھا،

۲۳۸ اضافۂ مرتب۔ ق۔ن میں یہ ساری عبارت کرم خوردہ تھی،

۲۳۹ جوتکی۔ جوتشی، ۲۴۰ تیری خاطر۔ تیرے لیے،

۲۴۱ ملیو۔ ملنا، ۲۴۲ کیجیو۔ کرنا،

۲۴۳ اضافۂ مرتب۔ ق۔ن میں یہ الفاظ کرم خوردہ تھے،

۲۴۴ بسر آوے۔ مقابلہ کر سکے،

۲۴۵ آوے۔ آئے،

۲۴۶ اضافۂ مرتب ق۔ن میں اس کا املا ''ریورنک'' تھا،

۲۴۷ آوے۔ آئے،

۲۴۸ سمجھے ہے۔ سمجھتا ہے،

۲۴۹ سمجھے ہے۔ سمجھتا ہے،

اُس کے مخفی چلن ہین سب سے جُدا　　اُن سے واقف نہین سوائے خدا ۲۸۰

اُس کی گرمی سے پای سنگ گداز　　ہوئے صرف نیاز صاحب ناز ۲۸۱

جان دو قالب کی ایک اس سے ہو　　بَد ہو گر یار نیک اِس سے ہو ۲۸۲

ہے فریبندگی[250] (نہی)[251] اس کی روش　　نہین زلف پری مین ایسی کشش ۲۸۳

جس کو اُس نے بزیر دام لیا　　اُس سے ناکامیون سے کام لیا ۲۸۴

نہین عُشّاق کش ہے یہ جلاّد　　اِس سے معشوق بھی گئے ناشاد ۲۸۵

نہ بچا کوہکن سے تا شیرین[252]　　ساتھ خسرو کے دی سلا شیرین[253] ۲۸۶

مرگِ لیلیٰ کو گاہ سبقت دے　　قیس کو چند روز مہلت دے ۲۸۷

الغرض یان کے قافلہ مین ہمیش[254]　　حُسن اور عشق دونون ہین پس و پیش ۲۸۸

ان کو باہم جدا نہ جانے کوئی　　(مطلقاً[255] بے وفا) نہ جانے کوئی ۲۸۹

بیوفائی وفا کا نام ہے یان　　کج ادائی ادا کا نام ہے یان ۲۹۰

مُردہ ان کا ہے زندۂ جاوید　　ناامیدی ہے یان تمام امید ۲۹۱

ہجر مین وصلِ جاودانی ہے　　ہجر عاشق کی زندگانی ہے ۲۹۲

حاصل اس سے[256] کہ دایۂ غدّار　　وان سے چلنے پہ جب ہوئی تیار ۲۹۳

---

۲۵۰ فریبندگی۔ فریب ۲۵۱ اضافۂ مرتب

۲۵۲ اضافۂ مرتب، ق۔ن میں اتنا ٹکڑا کرم خوردہ تھا،

۲۵۳ دی سُلا شیرین۔ شیریں کو سُلا دیا،

۲۵۴ ہمیش۔ ہمیشہ

۲۵۵ ق۔ن میں اس کی کتابت یوں تھی ''مطلق بیو''،

۲۵۶ حاصل اس سے۔ غرضکہ۔ الحاصل،

۲۹۴ صبح ہی منھ کو[۲۵۷] اپنے ملتے خاک[۲۵۸] — پھر نکلا وہ لے گریباں چاک
۲۹۵ دلے محافہ چلے وہاں سے کہار[۲۵۹] — آئے دریا کے متصل اک بار
۲۹۶ لب ساحل پہ جبکہ آ پہونچے — غرقہ[۲۶۰] بولا میری دعا پہونچے
۲۹۷ انتظار تو می کشم تہِ آب — غرقۂ بحر ہجر را دریاب
۲۹۸ روز پہونچا تھا[۲۶۱] کچھ قریب دو پاس[۲۶۲] — کہ ہوا اس کو انتشار حواس[۲۶۳]
۲۹۹ بیقراری جو موج میں آئی — گریہ مژگاں کے اوج میں آئی[۲۶۴]
۳۰۰ دیکھ دریا کو رو دیا اس نے[۲۶۵] — صبر اپنا ڈبو دیا اس نے
۳۰۱ ہوا کشتی پہ جب محافہ سوار[۲۶۶] — دایہ اُس کی جو تھی امانت دار
۳۰۲ اس سے پوچھا کہ دایہ سچ بتلا — کس مکان[۲۶۷] پر وہ خستہ ڈوبا تھا

---

۲۵۷ منھ کو۔ منھ پر
۲۵۸ ملتے خاک۔ خاک ملتا ہوا۔
۲۵۹ ق۔ن میں یہ مصرعہ یوں درج تھا "لے محافہ وہاں سے چلے کہار"
۲۶۰ غرقہ۔ غریق
۲۶۱ روز پہنچا تھا۔ دن گزرا۔ دن چڑھا تھا،
۲۶۲ دو پاس۔ دوپہر
۲۶۳ ق۔ن میں اس کا املا "ہواس" تھا
۲۶۴ گریہ مژگان کے اوج میں آئی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے،
۲۶۵ رو دیا اُس نے۔ وہ رو دی،
۲۶۶ محافہ سوار ہوا۔ محافہ رکھا گیا،
۲۶۷ مکان۔ مقام

کفش پھینکی تھی تو نے کس جاگہ[٢٦٨] — مجکو لے چل ذرا تو اس جاگہ[٢٦٩] ٣٠٣
میں بھی دیکھون تو وانکی شورش آب — (بہ مرادم رسیم تہ گرداب[٢٧٠]) ٣٠٤
یہ ترنگ اس کے جی مین کیا آئی — کہین ہوتے ہین ایسے سودائی ٣٠٥
کفش مین ایسی کیا کرامت تھی — کفش والی تو مین سلامت تھی ٣٠٦
اُس کی نادانی جی کھپاتی ہے — اب کوئی دم مین جان جاتی ہے ٣٠٧
پھر بدل کر زبان بناز و ادا — بولی وہ نازنین ہوا سو ہوا ٣٠٨
دایہ موجون کا پیچ و تاب تو دیکھ — اور یہ زنجیرۂ حباب تو دیکھ ٣٠٩
کیا ہی جاتا ہے تیز آب روان — ہم نے دیکھا نہ تھا کہین یہ سمان ٣١٠
آہ جاتے تو پردہ پوش تھے ہم — شرم بیگانہ سے خموش تھے ہم ٣١١
اب جو پردہ ذرا اٹھایا ہے — دل نے ذوق نظارہ پایا ہے ٣١٢
دلکشا سطح آب کی ہے فضا[٢٧١] — سرد لگتی ہے کیا ہی جی کو ہوا ٣١٣
کاش کشتی کھڑی کرین کوئی دم — تا نکالو دن[٢٧٢] مین اپنے جی کا غم ٣١٤
دایہ غافل تھی از ادائے کلام — ہنس کے کہنے لگی کہ سیم اندام ٣١٥
دیکھ لے اس جگہ وہ ڈوبا تھا — مین[٢٧٣] یہین کفش تیری پھینکا تھا ٢١٦

---

٢٦٨ جاگہ ۔ جگہ
٢٦٩ جاگہ ۔ جگہ
٢٧٠ اضافۂ مرتب ق ۔ ن میں اس مصرعہ کی کتابت یوں تھی ۔ "اور مُردم روبا کرواب"
٢٧١ ق ۔ ن میں اس کا املا "خذا" تھا
٢٧٢ ق ۔ ن ، میں "نکالو" تھا ،
٢٧٣ میں پھینکا تھا ۔ میں نے پھینکی تھی ،

| | |
|---|---|
| ۳۱۷ کفش کے ساتھ ہی ہوا وہ غرق | کفش مین اس میں کچھ رہا تھا نہ فرق |
| ۳۱۸ یہی اس کا مقام (دو)[۲۷۴] منزل ہے | موج اُس کی نشان ساحل ہے |
| ۳۱۹ سُنتے ہی یہ سخن وہ پا بر کاب[۲۷۵] | گر پڑی اُس جگہ پہ جون سیماب |
| ۳۲۰ ساتھ اپنے نہ دایہ نہ جان لی | رہِ شہر دیار جانان لی |
| ۳۲۱ غوطہ پانی مین متصل کھائے | حُسن نے طرفہ جلوہ دکھلائے |
| ۳۲۲ موجین آغوش ہو کے آلپٹین | دلے کے پاؤن سے[۲۷۶] تا قفا لپٹین |
| ۳۲۳ ڈوبتے ہی بہار لایا حُسن | آب بر روئے کار لایا حُسن[۲۷۷] |
| ۳۲۴ نظر آئے بدیدۂ خضار | گوہر تر سے اُس کے دو رخسار |
| ۳۲۵ دیکھ[۲۷۸] اُس مُنھ[۲۷۹] کی روشنی تہ آب | ہوئین یک بار ماہیان بیتاب |
| ۳۲۶ دست رنگین جو اُس کا تھا دلکش | دی لگا اُس نے اور بھی آتش[۲۸۰] |
| ۳۲۷ بار (دو)[۲۸۱] کر تر دم کنارہ گیر ہوئے | حلقۂ زلف مین اسیر ہوئے |
| ۳۲۸ جذبۂ عشق ہو کے راہ نُما | اُس کو بھی زیر آب لے ہی گیا |

---

۲۷۴ اضافۂ مرتب

۲۷۵ پا بہ رکاب۔ آمادۂ کار۔ مستعد۔

۲۷۶ اضافۂ مُرتب۔ ق۔ ن۔ میں اس کی کتابت "لپٹین بانو کے" تھی،

۲۷۷ آب بر روئے کار لایا حسن۔ پانی سے حُسن کی رونق دوبالا ہو گئی،

۲۷۸ دیکھ۔ دیکھ کر۔

۲۷۹ منہ۔ ق۔ ن کے مطابق نقل کر دیا گیا۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ "مَہ" ہو۔ روشنی کے ساتھ مناسبت معنوی اور "ماہی" کے ساتھ مناسبت لفظی ظاہر ہے،

۲۸۰ "آتش لگا دی" موجودہ محاورہ نہیں، "آگ لگا دی" بولتے ہیں، ۲۸۱ اضافۂ مُرتب

الغرض زندگی سے سیر ہوئی — مُردہ عاشق کو[282] پہونچی لیک[283] موئی[284] ۳۲۹

مُردہ با مُردہ ہمکنار ہوئے — وصل دریا میں ایک بار ہوئے ۳۳۰

گرچہ علم شنا کے ماہر کار[285] — دست و پا مارتے رہے اک بار[286] ۳۳۱

لیکن اُس کا کہیں نشان نہ ملا — لیا دریا نے اس گہر کو چھپا ۳۳۲

دایہ مایوس وان سے گھر آئی — کہنے یہ حرفہائے رسوائی ۳۳۳

ماجرا تھا جو کچھ کیا اظہار — تب تو آگہ ہو[287] اس کے خویش (و)[288] تبار ۳۳۴

پدر اور مادر اور ہمسائے — لبِ دریا پہ سر زنان آئے ۳۳۵

اشک ریزان کوئی کوئی نالان — کوئی حیران دسر[289]، بر و مالان ۳۳۶

کوئی دامن تلک[290] گریبان چاک — کوئی حیران بازیِ افلاک ۳۳۷

لبِ ساحل پہ ازدحام ہوا — اتنے دمین[291]، جو تلاشِ دام ہوا ۳۳۸

---

۲۸۲۔ عاشق کو۔ عاشق تک

۲۸۳۔ لیک۔ لیکن۔ ق۔ن میں اس کا املا "لے کہ" تھا

۲۸۴۔ موئی۔ مُردہ ہو کر

۲۸۵۔ ماہر کار۔ ماہر

۲۸۶۔ اکبار دست و پا مارنا۔ موجودہ محاورہ نہیں،

۲۸۷۔ آگہ ہو۔ آگاہ ہو،

۲۸۸۔ اضافۂ مُرتب

۲۸۹۔ ق۔ن میں "سہ" تھا

۲۹۰۔ تلک۔ تک

۲۹۱۔ اضافۂ مُرتب

۳۳۹ دام دار آئے دام بر سر دوش — حلقہ اُن دامون کے تمام آغوش
۳۴۰ از پئے صید ماہی سیمین — پہونچے جا کرکے[291] تا بقعر زمین
۳۴۱ دام پہونچا جو زیر آب کمک — کیا کہون اُس سے اُس گھڑیکی جو ملک[293]
۳۴۲ وہ ہم آغوش دام مین نکلے — یکے اپنے وہ کام مین نکلے
۳۴۳ لب سے لب آشنائے بوسہ بذوق — ہاتھ دونون کے وہ گلون کے طوق
۳۴۴ ساق با ساق پا سے پیچیدہ — یکد گر عضو عضو گرویدہ
۳۴۵ سینہ سینے کے ساتھ شیر و شکر — جس مین خالی ذرا نہ جائے نظر[294]
۳۴۶ نظر آئے وہ دونون ماہ منیر — جیسے اک آئینہ مین دو تصویر
۳۴۷ دیکھ[295] اس واقعہ کو پیر (و)[296] جوان — دیر تک وان کھڑے رہے حیران
۳۴۸ تھی جدائی بہم زبس دشوار — سب نے ناچار ہو کے آخر کار
۳۴۹ خاک مین یا ملا دیا ان کو — آگ مین یا جلا دیا ان کو
۳۵۰ مصحفی بس زبان درازی[297] بس — آفرین ہے مقام ضبط نفس
۳۵۱ مجھ سے یہ مثنوی ہوئی جو تمام — رکھا بحر المحبت اُس کا نام
۳۵۲ قصہ ہے ایک اور دو نامے[298] — جیسے اک شخص کے ہون دو جامے

---

۲۹۱ جاکر کے ۔ جا کر ۔ "کے" زائد ،

۲۹۳ شعر کا مطلب سمجھ میں نہ آیا ۔ ق ۔ ن کے مطابق نقل کر دیا گیا ،

۲۹۴ خالی ذرا نہ جائے نظر ۔ جائے نظر ذرا خالی نہیں ،

۲۹۵ دیکھ ۔ دیکھکر ، ۲۹۶ اضافہ مرتب ،

۲۹۷ زبان درازی ۔ طوالت کلام ۔ زیادہ گوئی ۔ موجودہ محاورہ میں زبان درازی " سخت کلامی و درشت گوئی کے معنے میں آتا ہے ، ۲۹۸ نامہ ۔ رسالہ ۔ کتابیں

۳۵۳ میر صاحب نے پہلے نظم کیا — مین نے بعد اُن کے ریزو پرزر کیا[۲۹۹]

۳۵۴ ایک دو ریز پرز جان افروز — ہوا نایاب جامۂ گلدوز[۳۰۰]

۳۵۵ کچھ نہیں ہے (مرقع)[۳۰۱] تصویر — ہے مرقع ولے[۳۰۲] لباس فقیر[۳۰۳]

۳۵۶ جیسے (میرو[۳۰۴] ن) مین شان ہے کچھ اور — ہم فقیرون میں شان ہے کچھ اور

۳۵۷ ہے توقع کہ صاحب انصاف — مجکو اس گفتگو میں رکھیں معاف

۳۵۸ کچھ نہ میرے حق مین خیر و شر نہ کہیں — نہ کہیں بد بھی نیک گر نہ کہیں

---

۲۹۹ اس لفظ کے نہ معنی سمجھ میں آئے، نہ اس سے قافیہ درست ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے، "زیب بزم" ہو،

۳۰۰ یہ پورا شعر موجودہ صورت میں بے معنیٰ ہے۔ ق۔ن کے مطابق نقل کر دیا گیا۔ ممکن ہے، مراد یہ ہو کہ اس ریزہ پرزہ کو ایک کر کے ایک نایاب جامۂ گلدوز تیار کیا ہے،

۳۰۱ ق۔ن میں اس کا املا "مرقہ" تھا،

۳۰۲ ولے۔ لیکن،

۳۰۳ اس شعر کا بھی مفہوم پوری طرح مرتب کے سمجھ میں نہیں آیا،

۳۰۴ ق۔ن میں "میری" تھا